(نوبل انعام یافتہ)
آبِ نیل پہ آوارگی
نجیب محفوظ
ترجمہ: نیرؔ عباس زیدی

آبِ نیل پہ آوارگی

(نوبل انعام یافتہ ناول)

نجیب محفوظ

ترجمہ:

نیئر عباس زیدی

فکشن ہاؤس

○لاہور ○کراچی ○حیدرآباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

An Urdu Translation of
"Adrift On The Nile"
By: Naguib Mahfouz

نام کتاب : آبِ نیل پہ آوارگی

مصنف : نجیب محفوظ

ترجمہ : نیئرؔ عباس زیدی

اہتمام : ظہور احمد خاں

پبلشرز : فکشن ہاوس، لاہور

کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور ___ سید وسیم حیدر نقوی، ملتان

پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور

سرورق : ریاض ظہور

اشاعت اول: 2004ء اشاعت دوم: 2006ء اشاعت سوم: 2010ء

اشاعت چہارم : 2017ء

قیمت : -/400روپے

تقسیم کار:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 68-مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-36307550-1,37249218

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون: 021-32603056

O لاہور O کراچی O حیدر آباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

عرضِ مترجم

نجیب محفوظ بین الاقوامی شہرت کے حامل ناول نگار ہیں۔ مختلف ادبی اعزازات کے ساتھ انہیں 1988ء کے ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔ انہیں گزشتہ صدی کا عظیم ترین عرب ناول نگار کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ ان کا تعلق مصر سے ہے اور ان کے ناول عرب ممالک کی روایتی شہری زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے تقریباً پندرہ ناولوں پر فلمیں بھی بنائی گئی ہیں جو جبل الطارق سے خلیج فارس تک پھیلے ہوئے عرب ممالک میں اپنی شہرت رکھتی ہیں۔ نجیب محفوظ کا نام پاکستان ادبی حلقوں میں بھی جانا پہچانا ہے، لیکن ابھی تک ان کے کسی ناول کا باقاعدہ اردو ترجمہ سامنے نہیں آیا۔ ملتان آرٹس فورم سے تعلق رکھنے والے اپنے دوستوں سے تبادلۂ خیال کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ نجیب محفوظ کے ناول کو ترجمہ کیا جائے۔ ان کا ناول "Adrift on the Nile" ہے جسے بنیادی طور پر عربی میں لکھا گیا۔ اسے فرانسس لیارڈیٹ نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ نجیب کے تمام ناولوں کو عرب ثقافت کی آواز سمجھا جاتا ہے۔ ان کا یہ ناول نہ صرف مصر، قاہرہ شہر بلکہ دریائے نیل اور اس پر موجود زندگی کا نمائندہ ناول ہے۔ اس ناول کے نام ہی سے ایک علامت اُبھر کر سامنے آتی ہے جس کا تعلق یقینی طور پر مصر سے بنتا ہے۔ یہ ناول اپنے عہد کے اس نوجوان طبقے سے متعلق ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ، ذہین اور باشعور تو ہے مگر نشے کی عادت کی وجہ سے اخلاقی اور روحانی دیوالیہ پن کا شکار ہے اور انہوں نے دریائے نیل پر اپنی ایک علیحدہ دنیا بسائی ہوئی ہے۔ اس ناول کا اردو روپ ''آبِ نیل پہ

آوارگی"، آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

گزشتہ سال اگست میں میرا پہلا ناول "شناخت" کے نام سے منظرِ عام پر آیا جو میلان کنڈیرا کے ناول "Identity" کا اردو روپ تھا۔ دوست احباب نے نہ صرف اس کاوش کو سراہا بلکہ اپنی قیمتی آراء سے بھی نوازا جو میرے لئے سرمایہ ہیں۔

اس ناول کا ترجمہ کرنے کے دوران بھی دوستوں کا خلوص اوران کی محبت شاملِ حال رہی۔ نہایت ہی شفیق استاد پروفیسر خالد سعید، ڈاکٹر عامر سہیل گاہے بہ گاہے راہنمائی کرتے رہے۔ اس ناول کے ٹائیٹل کے لئے برادرم احمد ندیم تونسوی کا بے حد مشکور ہوں۔ میرے دوست محمد مسعود انور، افضال احمد چودھری، ثاقب علی عطیل، ریحان اقبال، شوکت نعیم قادری میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ فکشن ہاؤس کے مالک ظہور احمد خان خصوصی تعاون فرماتے ہیں۔ ملک کی مایہ ناز ہستی محترم ڈاکٹر مبارک علی صاحب، جو ہماری نسل کے استاد کا درجہ رکھتے ہیں، کی دعاؤں کا بھی ممنون ہوں۔

نیرّ عباس زیدی

ممتاز آباد۔ ملتان

نجیب محفوظ ـــــ ایک مختصر تعارف

نجیب محفوظ کو 1988ء کے ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا، ان کا شمار جدید عربی کے مقدم وممتاز لکھاریوں میں ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف عرب دنیا کے بلکہ ایک عالمگیر شہرت کے حامل ناول نگار کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ محفوظ کی تحریروں کا موضوع مصر کے متوسط طبقے کا مادی تحفظ، تنگ دستی سے متعلق اس کی پریشانی، نظام کے اصول وضوابط کی پیروی، حکام اور کسی بھرپور قوت کو چیلنج کرنے سے گریز کرنا ہے۔ اس طبقے کا انہماک محض تحفظ پر ہی ہے۔

نجیب محفوظ 1911ء میں قاہرہ کے قدیم علاقے گمالیہ میں پیدا ہوئے۔ یہ جگہ ان کے بہت سے ناولوں کا منظر نامہ بھی ہے۔

درجنوں ناولوں، افسانوں کے مجموعوں، کتابوں، مقالوں، تدریسی اور ادبی رسائل میں چھپنے والے بے شمار مضامین کے ساتھ نجیب محفوظ کو بجاطور پر انگریزی جاننے والی دنیا میں سب سے ممتاز اور مستند عرب ناول نگار کہا جاسکتا ہے۔

یہ بات حیران کن ہے کہ محفوظ کو اپنی زبان کے ادب میں بھی یہی مقام حاصل ہے۔ وہ عرب کے مقبول ترین سنجیدہ ناول نگار ہیں۔ ان کے تمام ناول بار بار اشاعت کے مراحل سے گزرے۔

1939ء میں انہوں نے اپنا پہلا ناول لکھا اور اس وقت سے اپنی وفات تک انہوں نے 32 ناول اور تیرہ افسانوں کے مجموعے مرتب کئے۔ اپنی بزرگی کے باوجود انہوں نے اپنی وافر مطبوعات کے تسلسل کو ہر سال ایک ناول لکھ کر برقرار رکھا۔ 1960ء کی دہائی میں انہوں نے بہت کچھ لکھا جن میں ناول، افسانے اور ڈرامے شامل ہیں۔ یہ تحرک یقیناً ان کے تین حصوں پر مشتمل یادگار ناول کی شاندار کامیابی کے بعد آیا اس کا نام ''دی ٹرائلوجی'' ہے۔ جو 1956-57ء میں شائع ہوا۔

نجیب محفوظ کے انگریزی میں ترجمہ شدہ ناول:

''پیلیس واک'' (کیروٹرائلوجی کی کتاب نمبر 1) جو بنیادی طور پر عربی میں 1956ء میں شائع ہوئی۔

''پیلیس آف ڈیزائر'' (کیروٹرائلوجی کی کتاب نمبر 2) جو بنیادی طور پر عربی میں 1957ء میں شائع ہوئی۔

''شوگر سٹریٹ'' (کیروٹرائلوجی کی کتاب نمبر 3) جو بنیادی طور پر عربی میں 1957ء میں شائع ہوئی۔

''چلڈرن آف جیبلاوی'' جسے عربی میں 1956ء میں شائع کیا گیا۔

''دی بگننگ اینڈ دی اینڈ'' جسے عربی میں 1956ء میں شائع کیا گیا۔

''ایڈرفٹ آن دی نائیل'' جسے عربی میں 1966ء میں شائع کیا گیا۔

''دی جرنی آف ابن فاطومہ'' جسے عربی میں 1983ء میں شائع کیا گیا۔

''میداق ایلی'' جسے عربی میں 1947ء میں شائع کیا گیا۔

''دی ہارافش'' جسے بنیادی طور پر عربی میں 1977ء میں شائع کیا گیا۔

''دی بیگر'' جسے عربی میں 1965ء میں شائع کیا گیا۔

''دی تھیف اینڈ دی ڈاگنز'' جسے عربی میں 1961ء میں شائع کیا گیا۔

''اوٹم قویل'' جسے عربی میں 1962ء میں شائع کیا گیا۔

''ویڈنگ سونگ'' جسے عربی میں 1981ء میں شائع کیا گیا۔

''دی سرچ'' جسے عربی میں 1964ء میں شائع کیا گیا۔

''فاؤنٹین اینڈ نومب'' جسے عربی میں 1975ء میں شائع کیا گیا۔

''مرامر'' جسے عربی میں 1967ء میں شائع کیا گیا۔

''رسپکٹڈ سر'' جسے عربی میں 1975ء میں شائع کیا گیا۔

''اریبین نائٹس اینڈ ڈیز'' جسے عربی میں 1982ء میں شائع کیا گیا۔

اشاعت چہارم

گزشتہ صدی میں عرب دنیا کے ادبی افق پر نجیب محفوظ کا نام اپنی آب و تاب کے ساتھ جگمگاتا رہا۔ بین الاقوامی شہرت کے حامل ادبی اعزازات کا سہرا سجائے عظیم ناول نگار عرب جمہوریہ مصر کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری مسلم دنیا کے لئے فخر و مباہت کا باعث ہے۔ اپنے لازوال اور شاہکار ناولوں کی پوری دنیا میں دھوم مچانے کے بعد نجیب محفوظ تقریباً 94 سال کی عمر میں 30 اگست 2006ء کے دن مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں انتقال کر گئے۔ نجیب محفوظ کی سرکاری اعزاز کے ساتھ قاہرہ میں ہی تدفین کی گئی۔

نجیب محفوظ کے ناولوں میں جو موضوعات اور رجحانات ہمیں نظر آتے ہیں ان میں زندگی سے متعلق بنیادی سوالات، جیسے وقت کا گزرنا، معاشرہ اور روایات، علوم و عقائد، منطق و محبت وغیرہ شامل ہیں۔ قاہرہ شہر ہی ان کی زندگی کا ایک استعارہ تھا۔ انہوں نے قاہرہ کے تاریخی مقامات اور قدیم محلات، قدیم محلوں کو ہی شاندار طریقے سے پیش کیا ہے اور انہی علامات میں سے ایک اہم علامت دریائے نیل ہے جو پورے جوبن کے ساتھ اس تاریخی شہر کے بیچ بہہ رہا ہے اور قاہرہ کے باسیوں کی زندگیوں کا ایک اہم جزو ہے۔ اسی دریا میں موجود کشتی گھروں کی سرگرمیوں پر محیط ناول "Adrift on the Nile" ہے اور اس کا اردو روپ ''آبِ نیل پہ آوارگی''، اپنی اشاعت چہارم کا مرحلہ طے کر کے آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

گزشتہ تین اشاعتوں کے حوالے سے احباب، دوستوں اور محترم قارئین کی طرف سے جن جذبات اور جس محبت کا اظہار کیا گیا اس کے لئے میں تمام لوگوں کا شکرگزار ہوں۔ خاص طور پر دور دراز کے علاقوں سے موصول ہونے والی فون کالز، ای میلز میرا حوصلہ بڑھا دیتی ہیں، میں خصوصی طور پر تربت، بلوچستان اور بلتستان کے دوستوں کا ذکر ضرور کروں گا، ان کے خیالات جان کر دلی خوشی محسوس ہوتی ہے۔

پاکستان کے لئے عرب جمہوریہ مصر کے سفیر عزت مآب حسین حریجی نے اس کتاب کے لئے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا جو اس کتاب میں درج ہیں، اس کے علاوہ پاکستان کے لئے عرب جمہوریہ مصر کے ایک اور سفیر عزت مآب جناب مگدی عامر نے بھی اس کتاب کو نہ صرف سراہا بلکہ مجھ سے اس کتاب پر بڑی سیر حاصل گفتگو بھی کی، ان کی ادب دوستی مثالی ہے۔ وہ اب اپنے فرائض کسی اور ملک میں سرانجام دے رہے ہیں لیکن ان کی محبت اب بھی یادوں میں بسی ہے۔

فکشن ہاؤس کے مالک ظہور خان صاحب سے محبتوں کا سلسلہ جاری ہے، اس کتاب کی اشاعت چہارم اور میری دیگر کتب کی اشاعتوں میں ان کا تعاون شامل ہے۔

نیئر عباس زیدی

"Nayyar Abbas Zaidi has done a good work by translating the Egyptian novel "Adrift on the Nile" by Naguib Mahfouz from English to Urdu. It was indeed a pleasure to see that Naguib Mahfouz's work is being translated to other languages and people from different cultures and parts of the world are able to read his work"

Hussein Haridy,

Ambassador-Designate of Arab Republic of Egypt, Islamabad.

(۱)

گرد اور فریب کا مہینہ اپریل۔ ایک بڑا اور اونچی چھت والا کمرہ جو سگریٹ کے دھوئیں سے بھرا کوئی اداس سا سٹور روم لگتا تھا۔ شیلفوں میں فائلیں سکون کا مزہ لے رہی تھیں۔ اپنے کام میں مصروف سول ملازمین ان فائلوں کے لئے کتنی تفریح طبع کا باعث ہوں گے، جو نہایت معمولی سا کام انتہائی سنجیدہ وضع قطع بنا کر سرانجام دیتے ہیں۔ رجسٹرڈ ڈاک کی روانگی کا ریکارڈ، موصول شدہ اور روانہ کی جانے والی ڈاک کی فائل بنانا۔ چیونٹیاں، لال بیگ، مکڑیاں اور گرد کی بو جو بند کھڑکیوں کے باوجود اندر آرہی تھی۔

''کیا تم نے وہ رپورٹ لکھ دی؟'' ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ نے پوچھا۔

''جی ہاں''، انیس ذکی نے بے حسی سے جواب دیا، ''میں نے وہ رپورٹ ڈائریکٹر جنرل کو ارسال کر دی۔'' ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ نے اس کی طرف ایک چبھتی سی نظر ڈالی جو روشنی کی ایک کرن کی طرح اس کی موٹے شیشوں والی عینک سے چمکتی اور دم بخود کرتی محسوس ہوئی۔ کیا اس نے انیس کو، ایک غبی شخص کی طرح، بے مقصد کھسیانی ہنسی ہنستے دیکھ لیا تھا؟ لیکن لوگ اس قسم کی احمقانہ حرکتوں کا اظہار اپریل کے مہینے میں ہی کرتے ہیں، جو گرد اور فریب کا مہینہ ہے۔

ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ پر ایک غیر متوقع اضطراری کیفیت طاری ہوئی۔ یہ کیفیت اس کے جسم کے تمام اعضاء میں سرائیت کر گئی جس کا مشاہدہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ آہستگی سے گھٹتا بڑھتا اور ظاہری طور پر جاری وساری۔ بتدریج اس نے پھولنا سروع کر دیا، سوجن اس کے سینے سے ہوتی ہوئی اس کے چہرے اور سر تک چلی گئی۔ انیس نے اپنے باس پر ٹکٹکی باندھ لی، اسی سوجن نے اس کے چہرے کے خدوخال بگاڑ دیئے اور اس شخص کو گوشت کی ایک بڑی گیند میں تبدیل کر دیا۔ ایسا محسوس ہوا کہ کسی ان ہونے طریقے سے وہ ہلکا ہو گیا، گوشت کی اس بڑی گیند نے بلند ہونا شروع کیا، پہلے ذرا سستی سے اور پھر تیزی سے حتیٰ کہ وہ گیس کے غبارے کی طرح

اُڑا اور گھومتا ہوا چھت سے جا لگا۔

''انیس ذکی!، تم چھت کی طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟'' ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ نے پوچھا۔ دوبارہ دیکھے جانے پر ایک مضحکہ خیز تاسف کے ساتھ اس کی نظریں انیس پر جم گئیں۔ اپنے باس سے نمائشی ہمدردی کے لئے سروں کو ہلایا گیا۔ ''ستارے اس بات کے گواہ ہیں! پسو اور مینڈک بھی کچھ آداب جانتے ہوں گے۔ افریقہ کے چھوٹے، زہریلے سانپ نے بھی ملکۂ مصر سے وفا کی، لیکن تم، میرے ساتھی! تم میں کوئی بات بھی بہتر نہیں، صرف میرے ایک عزیز دوست کے الفاظ سے میری ڈھارس بندھی جس نے کہا: آیئے اور کشتی گھر میں رہیے، آپ کا خرچہ بالکل نہیں ہوگا، صرف ہمارے لئے وہ ''چیز'' تیار رکھیئے گا''۔

ایک نئے عزم کے ساتھ وہ دوبارہ خطوط کے انبار کا جائزہ لینے لگا۔ سر!: آپ کے خط نمبر ۱۱۹۱، بتاریخ ۲ رفروری ۱۹۶۴ء، جس کا حوالہ نمبر ۸۰۰۲ء، بتاریخ ۸۲ رمارچ ۱۹۶۴ء ہے، میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں...... گرد کی بو سے چھنتا ہوا، ریڈیو سے ایک نغمہ سنائی دیا ''اے ماں چاند ترے دروازے پر ہے''۔ وہ پین ہاتھ میں لئے رُکا: ''شاندار!، خوش قسمت ہو کہ تمہیں کوئی فکر نہیں''، دائیں طرف سے ایک ساتھی کی آواز آئی۔

''تف ہو تم پر! تم سب ابن الوقت ہو۔ تم ایک ایسے خواب کی اُمید میں چالیس چلتے ہو جو کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ یہاں پر موجود ایک مجسم معجزہ صرف میں ہوں، خلاء میں بغیر راکٹ کے تیزی سے پرواز کرنے والا''۔

چپڑاسی کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ایک کپ، پھیکی، کافی کا آرڈر دیا، کیونکہ اسے اپنے پیٹ میں چوہے دوڑتے محسوس ہوئے۔ ''جب آپ ڈائریکٹر جنرل سے مل کر واپس آئیں گے تو کافی آپ کی میز پر ہوگی''، چپڑاسی بولا۔ انیس، جو موٹا تو نہیں لیکن لمبا تڑنگا تھا، کمرے سے باہر چلا گیا۔

ڈائریکٹر جنرل کے دفتر میں پہنچ کر انیس بڑی انکساری سے اس کی میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ گنجے سر والا ڈائریکٹر جنرل، اپنا سر جھکائے کاغذات کے مشاہدے میں مشغول رہا۔ اس

نے انیس کو ایسے دیکھا جیسے کسی اوندھی کشتی کو دیکھا جاتا ہے......

اپنی بچی کھچی قوتِ ارادی کو بروئے کار لاتے ہوئے انیس نے خیالات کے انتشار کو جھٹک دیا۔ اس خاص موقع پر انتشار کے بڑے بھیانک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

اس شخص کا جھریوں سے بھرا، تیکھے نقوش والا چہرہ بلند ہوا، اس نے انیس کو غصے سے گھورا، رپورٹ میں کون سی غلطی سرزد ہوئی کہ اسے درست کرنے میں اسے اتنی مشکلات پیش آئیں؟

''میں نے تمہیں گزشتہ مہینے کی موصولہ ڈاک کی تفصیلی رپورٹ مرتب کرنے کا کہا تھا''، ڈائریکٹر جنرل نے پوچھا۔

''جی......جی سر، میں نے آپ کو پیش کر دی ہے''

''کیا یہی وہ رپورٹ ہے؟''

انیس نے رپورٹ دیکھی۔ فائل کے کور پر اس کے اپنے ہاتھ سے ہی لکھا تھا:

ماہ مارچ کی موصولہ رابطہ ڈاک کی رپورٹ۔ برائے ملاحظہ

ڈائریکٹر جنرل آرکائیوز (Archives) ڈیپارٹمنٹ۔

''یہ رہی سر''

''اسے دیکھو اور پڑھو''

اس نے دیکھا کہ ایک سطر خاصی واضح لکھی ہے اور اس کے بعد صفحہ خالی ہے۔ انیس مبہوت ہو گیا اور باقی صفحات کو پلٹنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے ڈائریکٹر جنرل کی طرف منہ پھاڑ کر دیکھنا شروع کر دیا۔

''اسے پڑھو!'' اس شخص نے غصے سے کہا۔

''سر! میں نے یہ رپورٹ حرف بہ حرف لکھی تھی......''

''کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ یہ کیسے غائب ہوئی؟''

''یقیناً، یہ میرے لئے ایک مکمل معمہ ہے!''

''کیا تم اپنے سامنے پین کی نب سے بننے والے نشانات دیکھ سکتے ہو؟''

''پین کی نب سے بننے والے نشانات......!''

''مجھے دو یہ اپنا طلسمی قلم!''، ڈائریکٹر نے کہا، پھر اس نے انتہائی روکھے پن سے انیس کا پین لے کر رپورٹ کی فائل کور پر لکیریں لگانا شروع کر دیں۔ پین کی روشنائی سے کوئی لفظ بھی نہ لکھا جا سکا۔

''اس میں روشنائی کا ایک قطرہ بھی نہیں!''ڈائریکٹر چلاّیا۔

انیس کے کشادہ چہرے پر سراسیمگی چھا گئی۔

''تم نے یہ سطر لکھنا شروع کی، پھر روشنائی ختم ہو گئی، لیکن تم لکھتے چلے گئے''، ڈائریکٹر کا طنزیہ خطاب جاری رہا۔

انیس گُنگ ہو گیا۔

''تم نے یہ بھی نہ دیکھا کہ پین لکھ ہی نہیں رہا!''انیس کی صورت سے حیرت ٹپکنے لگی۔

''مسٹر ذکی! کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ کس طرح ہوا؟ ہاں کس طرح؟۔ چٹانوں کی شگافوں اور سمندر کی گہرائیوں میں موجود کائی میں زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ جہاں تک مجھے علم ہے تم نابینا نہیں ہو، محترم ذکی صاحب!''۔

انیس نے اپنا سر جھکا لیا۔

''میں تمہاری طرف سے جواب دیتا ہوں۔ تم نے یہ بھی نہ دیکھا کہ کیا صفحے پر کچھ لکھا جا رہا ہے یا نہیں، کیونکہ تم نشے میں دُھت تھے۔''

''سر!''

''یہ ایک حقیقت ہے۔ مزید برآں اس حقیقت سے چپڑاسیوں سمیت تمام لوگ واقف ہیں۔ میں کوئی مبلغ نہیں، نہ ہی تمہاری بہبود کا ذمہ دار، تم جو چاہو اپنے ساتھ سلوک کرو۔ لیکن میں یہ کہنے کا استحقاق رکھتا ہوں کہ تمہیں یہ بتا دوں کہ تم دفتری اوقات میں غنودگی سے گریز کرو''۔

''سر''!

''بہت سر سر اور عذر داری ہو گئی۔ اتنے اچھے بنو کہ میری گزارش پر عمل درآمد کرو اور اپنی یہ عادت گھر چھوڑ کر آیا کرو''۔

''خدا گواہ ہے کہ میں بیمار ہوں!'' انیس نے احتجاج کیا۔

''تم کچھ اور نہیں محض دائمی ناکارہ شخص ہو۔''

''اس پر یقین نہ کریں جو......''

''میں صرف تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں!''

''یہ محض بیماری ہے اور کچھ نہیں!''

''میں تو صرف یہ دیکھ سکتا ہوں کہ تمہاری آنکھیں سرخ ہیں، نشیلی ہیں اور بھاری بھاری سی ہیں...... جواب دینے کے لئے مت سنو!''

''......اور، اور یہ اندر کی طرف دیکھتی ہیں، بجائے باہر دیکھنے کے، جس طرح دیگر تمام مخلوق خدا دیکھتی ہے!''

گھنے سفید بالوں سے بھرے ڈائریکٹر کے ہاتھ، بڑی تیزی سے اشارے کنائے کر رہے تھے۔ پھر وہ اونچی آواز میں بولا، ''میرے صبر کی ایک انتہاء ہے مگر ایک چکنی ڈھلوان کی کوئی انتہاء نہیں۔ خود کو تباہ حال مت کرو، تم چالیس کے پیٹے میں ہو جو یقیناً پختگی کی عمر ہے، ان احمقانہ حرکات سے کنارہ کشی اختیار کرو۔''

انیس باہر جانے کی غرض سے دو قدم پیچھے ہٹا۔

''میں تمہاری دو دن کی تنخواہ کاٹوں گا''، اس شخص نے کہا ''اس عمل کو دوہرانے سے گریز کرنا۔'' جیسے ہی انیس دروازے کی طرف بڑھا ڈائریکٹر جنرل نے حقارت آمیز لہجے میں کہا، ''تم کب ایک گورنمنٹ کے ادارے اور تمباکو نوشی کے اڈے میں تفریق کر پاؤ گے؟''

ڈیپارٹمنٹ واپس آنے پر تجسس بھرے انداز میں لوگوں نے انیس کی طرف اپنے سر اٹھا کر اور موڑ کر دیکھا۔ ان سب کی پرواہ کئے بغیر وہ کرسی پر بیٹھ کر کافی کے کپ کو دیکھنے لگا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا ایک ساتھی اس کی میز پر جھکا ہوا ہے، ایسا یقیناً صورت حال جاننے کے لئے

ہے۔ ''اپنے کام سے کام رکھو''، وہ بڑبڑایا۔

اس نے وہ دراز کھینچی جس میں روشنائی کی دوات تھی اور روشنائی اپنے پین میں بھرنا شروع کر دی۔ اسے وہ رپورٹ دوبارہ لکھنا تھی۔ موصولہ ڈاک کا مفصل ریکارڈ۔ دراصل یہ کوئی سرگرمی نہیں تھی، ایک متعین محور کے گرد چکر تھے جو اپنے ہی ناکارہ پن کے گرد دیوانہ وار گھوم رہے تھے۔ یہ محض گھومنا ہی تھا اور اس کا حاصل وصول بھی صرف نہ ختم ہونے والے چکروں کا سلسلہ تھا۔ اس مدار کے گرد چکروں کی وجہ سے وہ ہر اہم شے سے غافل ہو گیا: طب، سائنس، قانون، دیہات میں موجود اپنا خاندان، بیوی اور چھوٹی مرحومہ بیٹی۔ الفاظ جو کبھی شعلہ فشاں تھے اب برف کے پہاڑ تلے دب گئے تھے......

سڑک پر اب کوئی نہیں تھا۔ دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے مٹی اُڑ رہی تھی، مملوک فوجی (۱) اپنے شکار کی تلاش میں شور مچاتے، نعرے بلند کرتے آزادی سے گھوم رہے تھے، مارگوش اور گمالیہ (۲) کے علاقوں سے باہر سڑک پر نکلنے والا کوئی بھی شخص ان کی ''مہارت'' کا شکار ہو سکتا تھا اور اس شکار کی چیخیں ان فوجیوں کی بے ہودہ خوشیوں اور ان کے شور کے نیچے دب جاتیں، جدائی کا صدمہ سہنے والی بے چاری مائیں پکارتیں، ''رحم، رحم اے بادشاہان!''

اس کھیل تفریح کے وقت وہ شکاری انہیں اپنے راستے سے ہٹا دیتے۔

ٹھنڈی ہونے کے بعد کافی کا مزہ تبدیل ہو گیا، مملوک ابھی غُرّا رہے تھے، احمقانہ ہنسی ہنس رہے تھے، اس کے دماغ میں ایک لہر سی آئی، منظر غائب ہو گیا، مملوک مسکراتے رہے، آوازیں کستے رہے، لعن طعن کرتے رہے، مٹی اڑاتے رہے، اپنی جاہ و حشمت اور ایذا رسانی کی شادمانی مناتے رہے......

اس یاسیت بھرے کمرے میں جوش و ولولے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یہ وقت گھر جانے کا تھا۔

---

(۱)۔ مصر کے حکمران فوجی طبقے کے سپاہی۔

(۲)۔ قاہرہ کے علاقوں کے نام۔

(۲)

کشتی گھر دریائے نیل کے آسمانی رنگ کے پانی میں ساکن کھڑا تھا۔ انیس پانی سے ایسے ہی شناسا تھا جیسے کسی کے چہرے سے۔ دائیں جانب جگہ خالی پڑی تھی جہاں پہلے ایک اور کشتی گھر تھا جسے لہریں بہا کر لے گئی تھیں، جبکہ بائیں جانب دریا کے وسیع کنارے پر ایک سادہ سی مسجد، اس کے گرد کچی اینٹوں کی دیوار تھی اور اس کے اندر خستہ چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ انیس لکڑی کے سفید گیٹ سے گزر کر کشتی گھر میں داخل ہوا، وہ گیٹ بنفشا اور چنبیلی کی باڑ کے بیچ لگا تھا۔

کشتی گھر کا پہرے دار عم عبدہ اس کے استقبال کے لئے کھڑا ہوا۔ وہ دیو پیکر شخص تھا اور اپنے کچی اینٹوں سے بنے جھونپڑے کی چھت سے بھی اونچا نظر آ رہا تھا، جو لکڑی کے تختوں اور کھجور کے درخت کی شاخوں سے بنی تھی۔ انیس ٹائلوں سے بنے ایک راستے پر چلتا ہوا اس کشتی گھر کی راہداری کی طرف گیا، جس کے دونوں طرف گھاس کی چھوٹی کیاریاں تھیں۔ راستے کی دائیں جانب، گھاس کے میدان میں دریائی چنسر [(۱)] اُگی ہوئی تھی۔ جبکہ ذرا دور بائیں جانب امرود کے بلند درخت کے پس منظر میں جنس ہاسنتھ [(۲)] کا میدان تھا۔ مسلسل عاجز و بے بس کرنے والی سورج کی غضب ناک شعائیں یوکلپٹس کے درختوں کی شاخوں سے چھن کر نکل رہی تھیں، یہ درخت اس راستے کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور باغیچے پر سایہ کئے ہوئے تھے۔

انیس نے اپنے کپڑے تبدیل کئے، ایک لمبا سفید چوغہ پہن کر بالکونی سے دریائے نیل کا نظارہ کرنے لگا۔ وہ اس ہلکی ہلکی ہوا سے محفوظ ہونے لگا، ہوا کو اپنے جسم کا لمس لینے دیا اور اپنی نظروں کو پانی کے پھیلاؤ کا۔ پانی بالکل ساکن تھا اور وہ اس میں کوئی ایک ہلکورا بلبلہ بھی نہیں دیکھ سکا۔ لیکن ہوا دوسرے ساحل پر کھڑے کشتی گھروں کی لمبی قطاروں سے آوازوں کو اپنے ساتھ لا رہی تھی، جو سدا بہار ببول کے درختوں کے نیچے کھڑے تھے۔

---

(۱)۔ ایک سخت جان سدا بہار پودا جو بہتے پانی میں اُگتا ہے۔

(۲)۔ سنبل کی قسم کا ایک پودا۔

اس نے آہ بھری جسے عم عبدہ سن سکتا تھا، وہ دائیں جانب کی دیوار کے قریب فرج سے دو میٹر دور چھوٹی میز لگا رہا تھا۔ اس نے پوچھا ''خیریت تو ہے؟''

''فضاء آج بیزار کن اور ناگوار سی ہے''، انیس اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا، ''جس نے اچھے خاصے موڈ کا ستیاناس کر دیا ہے۔''

''لیکن تم یہاں اس وقت واپس آتے ہو جب اچھی فضاء اپنے اختتام پر ہوتی ہے۔''

وہ بوڑھا شخص اس کی تعریف کرتا رہا۔ وہ ایک عظیم اور قدیم شے کی طرح تھا جس کی جڑیں وقت میں پیوست ہوں۔ اس کی گہری آنکھوں سے گرم خیزی عیاں تھی۔ شاید وہ گہرے خطوط اسے پر جلال بناتے تھے، یا پھر گھنے سفید بالوں کا گچھا جو اس کے چوغہ کے اوپر ایسے نکلتا ہوا نظر آتا تھا جیسے درخت سے شگوفے پھوٹ رہے ہوں۔ اس کا کورے لٹھے کا چوغہ، جو کسی مجسمے پر ڈھانپا ہوا محسوس ہوتا، بغیر کسی رکاوٹ کے نیچے تک لٹکتا نظر آتا تھا۔ حقیقتاً اس کے جسم پر گوشت نہیں صرف ہڈیاں اور کھال تھی۔ لیکن یہ کیسی ہڈیاں تھیں! وہ ایک دیو پیکر شخص تھا اور اس کا سر کشتی گھر کی چھت کو چھوتا تھا۔ مجموعی طور پر اس کے وجود میں زبردست کشش تھی۔ وہ موت کے سامنے مزاحمت کی حقیقی علامت تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انیس، باوجود ایک مختصر شناسائی کے، اس سے کثرت سے گفتگو کرنا پسند کرتا۔

انیس اٹھا اور میز کے قریب اپنی جگہ جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک قتلہ لیا اور اسے کھانا شروع کر دیا۔ پھر اس نے لکڑی کے اس تختے کو دیکھا جسے آسمانی نیلے پینٹ سے رنگا گیا تھا، وہ چھپکلی کی حرکات کو دیکھنے لگا جس نے تختے سے بھاگ کر خود کو ایک بجلی کے سوئچ کے پیچھے چھپا لیا تھا۔ اس چھپکلی کو دیکھ کر اسے اپنا ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ یاد آ گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس اچانک سوال سے اسے آزار سا محسوس ہوا۔ کیا فاطمی خلیفہ معزالدین کی نسل میں کوئی جانشین باقی ہے جو ایک دن کھڑے ہو کر قاہرہ کے پایہ تخت پر اپنی ملکیت کا دعوی کرے؟'' ''عم عبدہ تمہاری عمر کتنی ہے؟'' انیس نے پوچھا۔

عم عبدہ اس چلمن کے پیچھے کھڑا تھا جو دروازے پر پڑی تھی اور وہ اس اونچائی سے

انیس کی طرف ایسے دیکھ رہا تھا جیسے صنوبر کا درخت بادلوں میں کھڑا ہو۔ وہ مسکرایا، جیسے اس نے اس سوال کو سنجیدگی سے نہ لیا ہو۔

''میری عمر کتنی ہے؟''

انیس نے سر جھکایا، لبوں پر زبان پھیری۔

وہ بوڑھا شخص دوبارہ بولا'' کسے معلوم ہے؟''

میں کوئی ایسا ماہر شخص نہیں جو عمر کا صحیح اندازہ لگا سکوں مگر میرے خیال میں وہ اس سرزمین پر اس وقت سے چل رہا ہے جب اس سڑک کے کنارے ایک بھی پودا نہیں تھا۔ وہ اس عمر میں پہنچنے کے باوجود کشتیوں کی رکھوالی کرتا ہے اور جب کبھی ضرورت ہو تو وہ ان کشتیوں کو رسے سے کھینچ کر نئی گودی میں باندھ دیتا ہے، وہ کشتی بھی اس کا ''حکم'' مانتی ہوئی اس کے پیچھے کھنچی چلی آتی ہے، وہ پودوں کو پانی دیتا ہے، نمازِ باجماعت کی امامت کراتا ہے، اور ایک اچھا خانساماں بھی ہے۔

''کیا تم ہمیشہ اپنی اس جھونپڑی میں تنہا رہے ہو؟'' انیس نے پوچھنا جاری رکھا۔

''یہاں صرف مجھ اکیلے کے لئے ہی رہنے کی جگہ ہے!''

''عمّ عبدہ تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟'' اس نے مزید پوچھا، لیکن اس بوڑھے شخص نے صرف ایک آہ بھری۔

''کیا قاہرہ میں تمہارے رشتے دار نہیں ہیں؟''

''ایک بھی نہیں۔''

''کم از کم یہ چیز ہمارے درمیان مشترک ہے...... بہرحال تم ایک بہترین خانساماں ہو۔''

''شکریہ۔''

''اور تم اپنی عمر کے لحاظ سے زیادہ کھاتے ہو۔''

''میں وہی کچھ کھاتا ہوں جو ہضم کرسکوں۔''

انیس نے اس گوشت کے ٹکڑے کی بچی ہوئی ہڈیوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک دن ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کے جسم سے بھی اسی قسم کی ہڈیاں ہی بچیں گی۔ وہ روزِ حشر اس کا حساب کتاب ہوتا دیکھ کر کتنا محظوظ ہوگا! اس نے کیلا چھیلا اور پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھا۔

''تم اس کشتی گھر پر کام کرنے کے لئے کب یہاں آئے؟''

''جب سے مالکان اسے اس گودی میں لائے۔''

''یہ قصہ کب کا ہوگا؟''

''اوہ......''

''اور کیا اس کشتی گھر کے مالکان وہی ہیں جو اس وقت تھے؟''

''اس کے مالکان مختلف اوقات میں تبدیل ہوتے رہے۔''

''کیا تم اپنا کام پسند کرتے ہو؟''

''میں ہی کشتی گھر ہوں!'' عم عبدہ نے فخریہ انداز میں جواب دیا، ''کیونکہ میں ہی رستا اور کشتی گھر ہوں، اور اگر میں ایک لمحے کے لئے بھی اپنے فرائض میں کوتاہی کروں تو یہ ڈوب جائے گا یا لہریں اسے کہیں سے کہیں لے جائیں گی''۔

اس کے فخر کرنے کی سادگی بڑی لبھانے والی تھی۔ انیس زیرِ لب مسکرایا اور سوال کرنے سے پہلے ایک لمحہ اس کی طرف دیکھا پھر کہا: ''دنیا میں سب سے اہم چیز کیا ہے؟''

''یہی کہ انسان تندرست وتوانا ہو۔''

اس کے جواب میں کوئی چیز ایسی پراسرار اور طلسماتی تھی جس نے انیس کو دیر تک ہنسنے پر مجبور کیا۔ پھر اس نے دریافت کیا: ''وہ لمحہ کون سا تھا جب تم نے آخری مرتبہ کسی عورت سے محبت کی؟''

''ہونہہ......؟''

''کیا محبت کے بعد تمہیں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو تمہیں خوش کر سکے؟''

''اب نماز ہی میرا سکون ہے۔''

''جب تم اذان دیتے ہو تو بڑے خوش الحان لگتے ہو''، انیس نے کہا، پھر اس نے خوش دلی سے مزید پوچھا: ''اس کے باوجود تم اتنے پاکباز بھی نہیں، کیونکہ تم ہمیں ''اشیاء'' مہیا کرتے ہو اور ہمارے لئے سڑک سے کسی لڑکی کو بھی بلا دیتے ہو۔''

عم عبدہ نے قہقہہ لگایا، اس کا سفید بالوں سے بھرا سر پیچھے ہوتا چلا گیا۔ اس نے جواب نہ دیا۔

''کیا ایسا نہیں ہے؟''

عم عبدہ نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا، ''میں صرف ''شریف'' لوگوں کی خدمت کرتا ہوں''، اس نے سادگی سے کہا۔ لیکن نہیں، ایسا نہیں ہے۔ وہ خود کشتی گھر ہے، ایسا اس نے خود کہا ہے، رسے، کشتیاں، پودے، غذا، عورتیں، نماز۔

تولیہ ساتھ لے کر انیس ایک چھوٹے دروازے سے ہوتا ہوا ہاتھ دھونے کے لئے واش بیسن پر چلا گیا، واپسی پر خود کلامی کرتا ہوا آیا کہ محض تنہائی کی وجہ سے اکثر مسلمان خلفاء نے طویل عمر نہ پائی۔ اس نے دیکھا کہ عم عبدہ بڑے انہماک سے میز صاف کر رہا ہے، اس کی کمر درخت کی طرح جھکی ہوئی ہے۔ اس نے از راہ مذاق پوچھا: ''کیا تم نے کبھی بھوت پریت دیکھا ہے؟''

''میں نے ہر شے دیکھی ہے'' عم عبدہ نے جواب دیا۔ انیس نے آنکھ کا اشارہ کیا۔

''کیا اس کشتی گھر میں کوئی اچھا خاندان رہائش پذیر رہا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہونہہ......!'' اے ہمارے لطف و انبساط کے رب!

''اگر تمہیں یہ زندگی پسند نہ ہوتی تو تم اسے پہلے روز ہی چھوڑ دیتے!''

''میں ایسا کیسے کر سکتا تھا جبکہ یہ مسجد میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائی!''

انیس نے شیلفوں میں رکھی کتابوں کو دیکھنا شروع کر دیا جو دروازے کی بائیں جانب رکھی تھیں اور انہوں نے اس بڑی دیوار کو چھپایا ہوا تھا۔ یہ لائبریری تاریخ کی کتب پر مشتمل تھی، بنی نوع انسان کے ابتدائی دور سے ایٹمی دور تک، اس کے خیالات کا دائرہ اثر اور اس کے

خوابوں کا ذخیرہ۔ اس نے مطالعہ کی غرض سے اچانک ایک کتاب اٹھالی۔ یہ کتاب راہبانیت سے متعلق تھی اور قبطی [1] زبان میں لکھی تھی، وہ ہر روز قیلولہ سے پہلے ایک یا دو گھنٹے مطالعہ کرتا تھا۔ عم عبدہ نے اپنا کام ختم کرلیا اور وہ پوچھنے آیا کہ اس کے جانے سے پہلے انیس کو کسی چیز کی طلب تو نہیں۔

''عم عبدہ! باہر کیا ہو رہا ہے''، انیس نے پوچھا۔

''معمول کی طرح ہی جناب۔''

''کوئی نئی بات نہیں؟''

''جناب آپ باہر کیوں نہیں جاتے؟''

''میں ہر روز دفترِ وزارت جاتا ہوں۔''

''میرا مطلب ہے آرام کرنے۔''

انیس نے ہنس کر کہا، ''دیگر تمام مخلوقِ خدا کے برعکس، میری آنکھیں اندر کی طرف دیکھتی ہیں، بجائے باہر دیکھنے کے!'' پھر اس نے عم عبدہ کو یہ کہہ کر جانے کی اجازت دی کہ اگر وہ سورج غروب ہونے تک بھی سورہا ہو تو وہ اسے جگادے۔

---

(۱)۔ قبطی زبان جواب صرف قبطی کلیساؤں تک محدود ہے۔

(۳)

ہر چیز تیار تھی۔ گدّوں کو نیم دائرے کی شکل میں، دروازے سے بالکونی تک لگا دیا گیا۔ اس نیم دائرے کے بیچ پیتل کی ایک ٹرے میں حقہ اور کوئلوں کی انگیٹھی رکھی تھی۔ درختوں اور دریا کے پانی پر شام کا دھندلکا چھا گیا تھا اور فضاء پر سکوت کا راج تھا۔ گھر لوٹتی فاختاؤں کے غول دریائے نیل پر تیزی سے پرواز کرر ہے تھے۔ انیس ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس ٹرے کے پیچھے بیٹھا تھا اور اپنی روایتی غنودہ نظروں سے غروبِ آفتاب کا منظر دیکھ رہا تھا، اس کی یہ سستی اسی وقت تک قائم رہے گی جب تک اس نشے کا خمار باقی رہے گا جو اس نے تلخ کافی میں ملا کر پیا تھا۔ اس کے بعد چیزوں کی نوعیت تبدیل ہو جاتی تجریدی، مکعبی[1] مصوری، مافوق الفطرت نقاشی، فاوی اندازِ نقاشی، سدابہار، امرود، ببول اور دیگر اشیاء کشتی گھر میں موجود لڑکیوں کی جگہ لے لیتیں۔ بنی نوع انسان، کائی سے تعلق رکھنے والے، ابتدائی دور میں چلا جاتا......

کیا چیز تھی جس نے تمام مصریوں کو راہبوں میں تبدیل کر دیا؟

ایک راہب اور موچی کے بارے میں اس نے وہ لطیفہ آخری بار کب سنا؟

کشتی گھر میں ذرا سی آہٹ محسوس ہوئی۔ یہ راہداری میں کسی کے قدموں کی آواز تھی۔ اس نے آنے والے کے استقبال کی تیاری کی۔ اوسط قد وقامت کی سنہری بالوں والی ایک لڑکی بالکونی میں آئی اور اس سے پُر تپاک انداز میں ملی۔

''ہم وزارتِ خارجہ کو خوش آمدید کہتے ہیں،'' انیس نے جواباً کہا۔

لیلیٰ زیدان گزشتہ دس سال سے اس کی دوست تھی۔ وہ پینتیس سالہ غیر شادی شدہ خاتون تھی اور یہی آزادیٔ نسواں کے خلاء کو مسخر کرنے والی ابتدائی خواتین میں سے ایک کے لئے مناسب تھا، خاص طور پر اس کے لئے جو قدامت پرستی کی علمبردار رہی ہو۔

تم نے تو انیس اسے چھوا ہی نہیں لیکن عمر رفتہ یہ کام کر گئی۔ ذرا دیکھو تو ان جھریوں کو جو آنکھوں کے گوشوں سے لے کر منہ تک پھیل گئی ہیں۔ خشکی کی جھلک، سختی اور ویرانی، جیسے عرصہ

---

(۱)۔ مصوری کا ایک انداز جو ہندسوں پر مبنی ہے۔ یہ پیکاسو کے بعد شروع ہوا۔

ہوا ہو پانی کے برتن کو خشک ہوئے۔ مگر اب بھی اس کی صاف جلد میں دلکشی تھی۔ اس کی ناک کی نوک جس میں موتی اور کچھ مبہم ہونے کے باوجود کوئی ایسی چیز تھی جو اس دلکشی پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ حضرت شعیبؑ کے دور میں صحرائے سینا کی ایک چرواہی تھی جو ایک اندھے سانپ کے ڈسنے سے، بغیر کوئی سراغ چھوڑے، وفات پا گئی تھی......

لیلیٰ نے کلام کرتے ہوئے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ نیل سے مخاطب ہو۔ ''میں نے آج وزارت میں ایک مشقت بھرا دن گزارا ہے۔ میں نے بیس فل سکیپ صفحات ترجمہ کئے۔''

''آج صرف پرسکون زندگی چاہیے۔ پرسکون اور باعزت......''

وہ بالکونی سے آئی اور سب سے دور پڑے گدے پر آ کے بیٹھ گئی جو دائیں طرف پڑا تھا۔ ''یہ ویسا ہی منظر تھا جیسا ہمیشہ ہوتا ہے''، اس نے کہا: ''عمّ عبدہ کسی مجسمے کی طرح باغیچے میں بیٹھا ہے اور تم یہاں حقہ بھر رہے ہو۔''

''یہ اس لئے کہ انسان کو کام کرنا ہی پڑا ہے۔''

وہ ایک تصوراتی کیفیت میں گرفتار ہو گیا، اور وہ شام شخصی روپ اختیار کر گئی، ایک چنچل من موجی مخلوق، ایک ایسی مخلوق جو لاکھوں سال سے زندہ ہو۔ اس نے کسی ہرجائی خاتون کے بارے میں مبہم سی گفتگو شروع کر دی۔ جب کسی محبوب نے اس سے بے وفائی کی تو وہ دوسرے کے پاس چلی گئی۔ اس نے مزید کہا کہ ایسے رویے کو چاند کے گھٹنے اور بڑھنے سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔

لیلیٰ سرد مہری سے مسکرائی۔ اس کے طنزیہ لہجے کی نقالی کرتے ہوئے اس نے کہا: ''اور یہ محض اس لئے ہے کہ عورت کو ہر صورت محبت کرنی ہے!''

پھر وہ غرّائی: ''بے چارہ مرد۔'' اسے لیلیٰ کے چہرے پر غصے کے آثار دکھائی دیئے لیکن حقیقی نفرت کے امکانات نہیں تھے۔ اسے یقین تھا کہ جب وہ مذاق کرنے پہ آتی ہے تو وہ، کئی زمانوں کی روایتوں میں بندھی، ملکہ وکٹوریہ نہیں ہوتی۔

اس نے سنجیدگی سے کہا، ''تم مجھے اپنا عاشق کیوں نہیں سمجھتی؟''

جب اس نے لیلیٰ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا تو اس نے جواب دیا: ''اگر تم نے کبھی لفظ محبت کو جملے کے طور پر استعمال کیا ہو تو تمہیں یہ کبھی یاد نہیں آئے گا کہ اس لفظ کا محمول کیا ہے۔ سدا۔''

اسے یاد آیا کہ وہ عربی میں کتنی مہارت رکھتا تھا، اس کا ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ: اس کا فیصلہ ملاحظہ کرو کہ وہ اس کی دو روز کی تنخواہ کاٹنے کا کہتا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ اس نے ایک کورا کاغذ لکھا ہے۔ اسے یہ بھی یاد آیا کہ ایک مرتبہ لیلیٰ نے کہا تھا: ''تم دل نہیں رکھتے۔'' یہ اس رات کا واقعہ ہے جب تمام دوست چلے گئے تھے صرف لیلیٰ اور خالد عزوزہی کشتی گھر میں تھے۔ بغیر کسی تمہید کے انیس نے اس کی کلائی پکڑ کر کہا: ''آج کی رات تم میری ہو۔'' یہ ہمیشہ خالد ہی کی کیوں ہوتی ہے؟ اُس خالد کی جس نے اسے رجب کے چھوڑے جانے کے بعد حاصل کیا تھا! اور میرے لئے محض ایک رات۔ اس رات اُس کی آواز غصے سے بلند ہوئی، اور وہ وہی وقت تھا جب صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ باہر عمّ عبدہ اذان دے رہا تھا اور اندر تم ایک پاگل شخص کی طرح چلّا رہے تھے، اور خالد نے التجا کرتے ہوئے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے اور کہہ رہا تھا: ''تم نے ہمارا اسکینڈل ہی بنا دیا ہے''۔ لیلیٰ پہلے تو مسکرائی پھر چلاّئی اور اس نے ایک فلسفیانہ سوال کیا تھا۔ وہ خالد سے محبت کرتی تھی اور اسی لئے انیس کی طرف، باوجود دوستی کے، رغبت کا اظہار نہ کیا۔ اگر وہ ایسا کرتی تو وہ ایک بازاری عورت کہلاتی۔ اس رات وہ چلاّیا کہ ان معمّوں کو سمجھنے کی بجائے اذان کو سمجھنا آسان ہے۔

''دوستی زیادہ اہمیت کی حامل ہے''، لیلیٰ نے فضا سازگار بنانے کے لئے توجیہہ پیش کی، ''دوستی تمام زندگی کے لئے ہے۔''

''پھر خدا تمہیں ایک لمبی زندگی عطا کرے۔''

اس نے حقہ بھرا تا کہ دوسروں کا انتظار کرتے ہوئے وہ اکٹھے اسے پی سکیں۔ اس نے ایک طویل کش لیا اور کافی دیر تک کھانستی رہی۔ انیس نے پھر وہی دوہرایا جو وہ اکثر کیا کرتا ہے کہ پہلا کش لینے سے کھانسی آئے گی اور اس کے بعد سرور آنا شروع ہوگا۔ اس نے سوچا کہ یہ

بات حیران کن نہیں کہ مصریوں نے فرعون کی پرستش کی، حیرت اس بات پر ہے کہ فرعون نے خود کو دیوتا سمجھا......

کشتی گھر اس مرتبہ شدت سے ہلا اور باہر سے شور و شغب کی آواز سنائی دی۔ اس نے راہداری میں دیکھا، جو سکرین کی وجہ سے چھپی ہوئی تھی، اس کے کچھ زندہ دل ساتھی ایک ایک کر کے اندر آئے: ان میں احمد نصر، مصطفیٰ رشید، علی السید اور خالد عزوز شامل تھے۔ ''شام بخیر...... شام بخیر، تم سب کو!'' خالد لیلیٰ کے قریب بیٹھ گیا، علی السید کے لئے اس نے خود کو انیس کی دائیں جانب لڑھکا لیا اور چلاّیا: ''ہماری مدد کو آؤ!'' لہٰذا انیس حقہ بھرنے اور اس کی چلم میں کوئلے بھرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ اس حقے کو جلد ہی اس دائرے میں پیش کر دیا گیا۔ ''رجب کی کوئی خبر؟''، مصطفیٰ رشید نے پوچھا۔

انیس نے بتایا کہ رجب نے ٹیلی فون کیا تھا کہ وہ سٹوڈیو میں ہے اور کام ختم کرتے ہی آ جائے گا۔

بالکونی سے اندر آنے والی ہوا سے انگیٹھی کے کوئلے بھڑک اُٹھے۔ اس منظر سے انیس کے اندر بھی جلا پیدا ہوئی۔ اس دقیق سی مستی سے اس کا چوڑا چہرہ تمتما اُٹھا۔ اس نے کہا کہ جس کسی نے بھی انسانی تاریخ میں یہ شاندار گنبد بنایا ہے، وہ گنبد جس نے تمام لائبریریوں کے شیلفوں کو زینت بخشی اس نے انہیں چند لمحوں کے لئے بھی غیر مطمئن نہیں کیا۔

خالد عزوز نے علی السید کی طرف دیکھا اور کہا: ''کیا پریس کے پاس کوئی نئی چیز ہے؟''

علی نے ٹھوڑی اٹھا کر لیلیٰ کی طرف اشارہ کیا، ''وزارتِ امورِ خارجہ تمہارے سامنے ہے۔''

''لیکن میں نے بڑے حیران کن حقائق سنے ہیں......''

''اس سے ہمارے ذہنوں کو اذیت نہ دیں''، انیس نے سنکی پن سے جواب دیا۔

''ہمیں جو کچھ بھی سننے کو ملے ہماری یہ دنیا ایسے ہی چلتی رہے گی، جیسے ہمیشہ ہوتی تھی، کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔''

مصطفیٰ رشید نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا، ''مزید کیا ہے، دنیا ہماری اتنی پرواہ

نہیں کرتی جتنی ہم اس کی کرتے ہیں، کسی طرح بھی نہیں۔''

انیس نے اس بات سے اتفاق کیا،''جب تک یہ حقہ یہاں گھومتا رہے گا، یہ دنیا تمہیں کیا کہے گی۔''

خالد نے اسے خوش باش پا کر کہا،''دانائی! وہ بھی مخمور کے منہ سے!''

''آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ ڈائریکٹر جنرل نے میرے ساتھ کیا کیا''، انیس نے گفتگو جاری رکھی، پین کی کہانی نے وہاں قہقہوں کا طوفان برپا کر دیا،''اس طرح کے پین امن معاہدوں پر دستخط کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں''، علی نے آخر میں کہا۔

حقے نے اپنے روایتی سریلی واز میں گڑگڑانا جاری رکھا۔ لیمپ کی نارنجی روشنی کے گردِ پتنگوں نے ایک ہالہ بنالیا۔ بالکونی کے باہر اندھیرا چھا گیا تھا، دریائے نیل نے اب جیومیٹری کی مختلف اشکال کی سی صورت اختیار کر لی تھی، کچھ باقاعدہ اور کچھ بے قاعدہ۔ دوسرے کنارے کی روشنیاں، ان کے عکس اور دیگر کشتی گھروں کی کھڑکیوں سے نکلنے والی روشنیاں۔ اس اندھیرے کی سیاہ چادر میں ڈائریکٹر جنرل کی چمکتی ہوئی گنجی کھوپڑی، بالکل کسی الٹی ہوئی کشتی کے ڈھانچے کی طرح، نمودار ہوئی۔ وہ بادشاہوں کا چشم و چراغ معلوم ہوتا تھا اور کسی بھی دن صحرا میں واپس آئے گا...... وہ بدترین چیز جس کا انیس کو خدشہ تھا کہ لیلیٰ زیدان کی جوانی کی طرح یہ شام بھی ڈھل جائے گی، یقیناً اس راکھ کی طرح جو انگاروں کے بیچ پہنچتی جا رہی تھی۔

یہ کس نے کہا تھا کہ انقلابوں کو چالاک لوگ ترتیب دیتے ہیں، بہادر لڑتے ہیں اور بزدل ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں؟

عم عبدہ حقہ اٹھا کر لے گیا تاکہ اس کا پانی تبدیل کرے۔ پھر وہ اسے واپس لایا اور بغیر کچھ کہے رکھ کر چلا گیا۔ خالد عزوز نے اپنی سنہری فریم والی عینک صاف کرتے ہوئے اس بوڑھے شخص کی تعریف کی۔ احمد نصر نے اپنی روایتی خاموشی کو ختم کیا اور کہا،''ڈائنوسور کی نسل سے تعلق رکھنے والا شخص۔''

مصطفیٰ رشید بولا،''تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس شخص کی جوانی گزر گئی، ورنہ

ہمارے لئے ایک عورت بھی نہ بچتی!''

انیس نے اس بوڑھے شخص سے کی جانے والی گفتگو کا ذکر شروع کر دیا۔علی نے کہا ''دنیا کو اپنے سیاسی مسائل حل کرنے کے لئے اسی طرح کے دیوقامت شخص کی ضرورت ہے۔''

لمحے بھر کی خاموشی کے بعد حقے کی اونچی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔باہر سے مینڈکوں کے ٹرانے اور جھینگروں کے چرکنے کی آوازیں آرہی تھیں۔اس دھوئیں بھرے ماحول میں لیلیٰ کا ہاتھ خالد کی طرف بڑھا، وہ دونوں زندگی بھر کے دوست تھے اور ایک دوسرے کے لئے طمانیت کا باعث بھی۔احمد کی لمبی چونچ دار ناک کا موازنہ صرف علی کی ناک سے ہی کیا جاسکتا تھا۔ اگرچہ علی کی ناک ذرا چوڑے اور زرد چہرے پر لگی ہوئی تھی۔بالکونی کے باہر اندھیرے کی صدا آئی: خود کو کسی بھی کام میں مصروف نہ رکھو۔ ایک دھندلے سرخ ستارے کی شعاؤں پر سوار ہو جاؤ، یہ اس تمباکونوشی کی محفل میں ایک لاکھ نوری سال کا فاصلہ طے کر کے آیا ہے۔اپنی زندگی کو ایک بوجھ مت بناؤ۔ایک نہ ایک دن ڈائریکٹر جنرل بھی کہیں چلا جائے گا جس طرح تمہارے پین کی روشنائی کہیں چلی گئی تھی۔کسی کی محبت اور دیکھ بھال کی کسر اب اس دل میں باقی نہیں۔ اگر تم کوئی حماقت کرنا چاہتے ہو، تاکہ لوگ تمہاری طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھیں، تو اپنے کپڑے اتار دو اور ناٹک گھر جا کر مستی میں اچھل کود کرو۔وہاں تم دیکھو گے کہ ابراہیم پاشا کا مجسمہ بنا ہوا ہے، وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہے اور کانٹی نینٹل ہوٹل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔یہ پورے ملک میں سب سے حیران کن اشتہار ہے......

''کیا یہ سچ ہے کہ ایک نہ ایک دن ہم سب وفات پاجائیں گے؟''

''انتظار کرو کہ یہ سب کچھ خبروں میں نشر ہو۔''

''انیس ذکی فلسفیانہ گفتگو کر رہا ہے!''

''اور اس نے اس مرتبہ کوئی نئی چیز پیش کی ہے!''

''وہ آخری مذاق کیا تھا؟'' لیلیٰ نے حیرت کا اظہار کیا۔

''اب مزید مذاق باقی نہیں ہے''، مصطفیٰ نے جواب دیا، ''اب ہماری زندگیاں سنگین

مذاق بن چکی ہیں۔'' انیس نے بالکونی کے باہر پھیلے اندھیرے کا جائزہ لیا۔اس نے دیکھا کہ ایک بڑی وہیل مچھلی کشتی گھر کے قریب آ رہی ہے، رات کے اندھیرے میں یہ اس کے لئے کوئی عجیب بات نہیں تھی، مگر اب اس نے ایسے منہ پھاڑا کہ یہ پورے کشتی گھر کو نگل لے گی۔ گفتگو کا سلسلہ بغیر کسی کی پرواہ کئے جاری رہا۔ لہٰذا اسی مچھلی کی طرح، اس نے بھی فیصلہ کیا کہ وہ بھی انتظار کرے اور دیکھے کہ کیا ہوگا۔ وہیل مچھلی بالکل قریب نہ آئی۔اس نے رُک کر آنکھ ماری اور کہا ''میں وہی مچھلی ہوں جس نے حضرت یونسؑ کو بچایا تھا''۔ پھر وہ پیچھے ہٹی اور غائب ہوگئی، انیس ہنسا، لیلیٰ نے اس سے ہنسنے کی وجہ پوچھی۔

''عجیب وغریب سائے ہیں''، اس نے جواب دیا۔

''تو پھر ہم انہیں کیوں نہ دیکھیں؟''

حقہ پینے میں مشغول رہتے ہوئے اس نے جواب دیا ''جس طرح کسی دانا شیخ نے کہا جو ادھر اُدھر بھٹک جاتا ہے وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچتا۔''

ایک بے ہنگم احتجاج کا شور ہوا ''یہاں کوئی شیخ نہیں ہے، اے پرانے ٹھگ!''

''کون بتا سکتا ہے کہ اگلا زلزلہ کہاں آئے گا؟''

''اس کے باوجود ہر طرف ناچ گانا ہو رہا ہے۔''

''اگر تم قہقہہ ہی لگانا چاہتے ہو تو اوپر سے زمین کو کیوں نہیں دیکھتے۔''

''وہ خوش قسمت ہیں جو اوپر سے نیچے دیکھتے ہیں۔''

''تاہم جب نئے قوانین لاگو ہو جائیں گے تو ہمارے دماغ ٹھکانے آ جائیں گے۔''

''کیا یہ بل جانوروں پر بھی لاگو ہوتے ہیں؟''

''مجھے خطرہ ہے کہ یہ بل بنیادی طور پر جانوروں پر ہی لاگو ہوتے ہیں......''

''کاش، ہم چاند پر نقل مکانی کر سکتے۔''

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس چیز سے خائف ہوں''، کہ خدا ہم سے ناراض ہے۔''

''جس طرح ہر شے دوسری شے سے نالاں ہے۔''

''ایسے ہی جیسے اس سے نالاں ہونا بذاتِ خود نالاں ہونے سے نالاں ہونا ہے۔''

''اور اس کا حل، کیا اس کا کوئی حل نہیں ہے؟''

''بے شک ہے۔ہم سب کھینچ تان کر اس دنیا کو تبدیل کر دیں!''

''یا ہم وہیں کھڑے رہیں جہاں ہم ہیں، جو کہ بہر حال بہتر ہے، زیادہ دیر پا ہے۔''

کشتی گھر کسی کے قدموں سے ہل گیا۔ وہ رجب کا انتظار کر رہے تھے مگر اس کی جگہ ایک زندہ دل خوش باش اور فربا عورت آئی جس کے موٹے تازے جسم میں صرف ایک نقص تھا کہ اس کی چھاتیاں اس کے کولہوں سے ذرا بھاری تھیں۔ ثانیہ کامل! اس نے ہر شخص سے ملتے ہوئے بوسہ لیا۔علی السید نے اسے اپنے پاس جگہ دی۔''ہم نے تمہیں پچھلے رمضان سے نہیں دیکھا''، اس نے پھر علی کے ہاتھوں کو دو مرتبہ بوسہ دیا،''یہاں سے گزرتی ہوئی آ گئی ہوگی؟''

''ہمیشہ کے لئے آمد!'' اس نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہارے شوہر نے تمہیں چھوڑ دیا۔''

''یا یہ کہ میں نے اسے چھوڑ دیا''، اس نے کش لیتے ہوئے کہا۔

اس نے بے تحاشہ کش لئے اور اپنے گرد متجسس فضاء کو مطمئن کرنے کے لئے کہا:''میں نے اسے اپنی پڑوسن سے دل لگی کرتے ہوئے پکڑ لیا۔''

''بڑی شہوت انگیز خبر ہے!''

''میرا خیال ہے انہوں نے مجھے ساتویں منزل پر سن لیا!''

''بہت خوب!''

''لہٰذا میں نے گھر اور بچے چھوڑ دیئے اور ''ماڈی''[1] میں اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔''

''یہ شرمناک بات ہے۔لیکن شادی شدہ زندگی کی تجدید کے لئے ضروری ہے۔''

''میرے ذہن میں جو پہلا خیال آیا وہ یہ تھا کہ یہاں کشتی گھر آ جاؤں!''

''بالکل درست! ادلے کا بدلہ!''

---

(۱)۔ جگہ کا نام

مصطفیٰ نے علی کی طرف اشارہ کیا: ''اب ایک ہنگامی شوہر کی ضرورت ہے!'' اس نے ثانیہ سے کہا۔

''اس مرتبہ میری باری کیوں نہیں ہوسکتی؟'' انیس نے بڑی لگن سے مطالبہ کیا۔

علی نے اس کا مذاق اڑایا، ''میں ثانیہ کے لئے کافی عرصے سے انتظار میں ہوں، اب......''

''اور میں۔''

''تم ہمارے آقا ہو، ہمارے تاج میں لگے ہوئے جوہر، ہماری خوشیوں کے سرپرست اور اگر تم نے محبت کرنی ہو تو جو تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور......''

''جھوٹے۔''

علی نے حقے کی طرف اشارہ کیا'' بہرحال تمہارے پاس محبت کے لئے وقت نہیں!''

''خبیث! میں تمہیں یہ بتاؤں کہ ڈائریکٹر جنرل کے ساتھ کیا ہوا۔''

''لیکن تم نے تمام تفصیل بتا تو دی، کیا تم بھول گئے ہو، اے مسرتوں کے آقا؟''

''تف ہو تم پر! تمہاری راہنمائی ہونے سے قبل ہی تمہاری زندگیاں ختم ہو جائیں گی!''

حقہ تمام لوگوں تک گھمایا گیا، زیادہ تر ثانیہ کی طرف، جس نے ماہ رمضان کے بعد سے اب تک نہیں پیا تھا۔ اس کا رنگ افق تھا، پریشان تھی اور ہنسنا چاہتی تھی، یہ انیس کا خیال تھا۔ وہ محبت اور نشے میں مخمور ہونے کے باوجود بھی اپنے بچوں کو فراموش نہیں کرے گی۔ بالآخر وہ اپنے شوہر کے پاس جائے گی۔ لیکن وہ اس کے ساتھ صرف ایک سال تک رہے گی اور اگلے سال چھوڑ دے گی۔ ہر مرتبہ یہی ثابت کرنے کی کوشش کرے گی کہ یہ اس کے شوہر کی غلطی تھی۔ رجب اسے پہلی مرتبہ یہاں لے کر آیا تھا، جیسے وہ لیلیٰ کو پہلی مرتبہ لایا تھا، کیونکہ وہ جنسیت کا دیوتا ہے، ہمارے گھر میں عورتیں مہیا کرنے والا۔ میں اس کے خاندان کے بزرگوں میں ایک سے واقف ہوں جو جنگل میں اس وقت پھرا کرتا تھا جب وہاں کوئی مکان بھی نہیں تھا۔ وہ اس

جنگل میں اندھیرے، انجانے خوف اور موت سے پناہ صرف عورتوں کے ہاتھوں میں لیا کرتا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک ریڈار تھا، کانوں میں ریڈیو اور اس کی کلائی میں گرنیڈ۔ جس نے موت سے قبل بے شمار ''فتوحات'' کیں اور یہ رجب اسی کی نسل سے ہے۔.....

کشتی گھر ہلا۔ رجب القاعد کی آواز سنی جا سکتی تھی۔ وہ اپنے ساتھ آنے والے کسی شخص سے گفتگو کر رہا تھا۔ ''دیکھ کر قدم رکھنا''، وہ کہہ رہا تھا۔

ان کے چہرے ایک آس اور امید سے بھرے ہوئے تھے۔ ''شاید سٹوڈیو سے کوئی ایکٹریس آ رہی ہو''، خالد نے دھیمی آواز میں کہا۔

دروازے کے قریب سکرین کے پیچھے سے رجب نمودار ہوا۔ وہ دبلا پتلا، سیاہ رنگت والا، اچھے قد کاٹھ کا مالک شخص تھا اور ایک نوجوان لڑکی کے آگے آگے چلا آ رہا تھا۔ وہ بھی سیاہ رنگت کی مالک تھی، نین نقش مناسب تھے اور چہرہ ذرا کھلا اور گول تھا۔ اس کی نوجوانی پر حیرت میں مبتلا اپنے دوستوں کو رجب بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ ایک سریلی آواز نکالتے ہوئے مسکرایا اور کہا: ''یہ محترمہ ثناء الرشید ہیں جو ایک مقامی کالج کی طالبہ ہیں۔''

(۴)

نئی آنے والی خاتون پر تمام نگاہیں مرکوز ہو گئیں۔ وہ مسکراتے ہوئے تمام لوگوں کی نظروں کا اطمینان سے سامنا کر رہی تھی۔

رجب نے اپنا ہاتھ اس کی کمر کے گرد ڈالا اور اسے اپنے پاس بٹھایا۔ ''مجھے بچایئے اے لذتوں کے شہنشاہ!'' رجب بولا۔

''ایک دوشیزہ کے سامنے''، احمد نے استفسار کیا۔ رجب نے علامتی لہجے میں کہا، تصنع کی ضرورت نہیں، وہ بھی ایسے مخلص اور مر مٹنے والے کے سامنے!''

اس نے ایسا زوردار کش لیا کہ تمباکو پر پڑا کوئلہ بھڑک اٹھا اور اس میں سے چنگاری بلند ہوئی۔ اس نے سرور میں اپنی آنکھیں موند لیں اور پھر کہنے کے لئے کھول لیں: ''میں ان دوستوں سے تمہارا تعارف کرادوں جو آج رات سے تمہارے خاندان میں شمار ہوں گے۔''

پھر اسے یہ احساس ہوا کہ ثانیہ کامل بھی وہاں ہے۔ اس نے ثانیہ کا ہاتھ بڑی گرم جوشی سے ہلایا اور اس کی آمد سے متعلق کچھ اندازہ لگایا۔ ثانیہ نے مسکرا کر اسے دوست قرار دیا۔ اس نے ثناء سے بھی اس کا تعارف کروایا۔

''یہ ثانیہ کامل ہیں۔ میری ڈی ڈیو کالج کی گریجویٹ، یہ ماں بھی ہیں اور بیوی بھی۔ انتہائی شاندار خاتون، جو گھریلو الجھنوں سے تنگ آ کر اپنے پرانے دوستوں میں لوٹ آئی ہیں، نسوانی تجربات سے بھرپور خاتون، ایک غیر شادی شدہ لڑکی کی حیثیت سے، ایک بیوی اور ایک ماں کی حیثیت سے بھی۔ اس کشتی گھر میں موجود جوان لڑکیوں کے لئے دانائی کا مجسم نمونہ۔''

مسرتوں سے بھرپور کچھ غیر ارادی آوازیں سنائی دیں۔ ثناء مسکرائی اور ثانیہ نے رجب کی طرف بڑی سرد مہری سے دیکھا۔ رجب لیلیٰ کی طرف متوجہ ہوا، ''محترمہ لیلیٰ زیدان، امریکی یونیورسٹی کی گریجویٹ، وزارتِ امورِ خارجہ میں مترجم۔ اس ملک کی ترقی نسواں کی تاریخ میں ان سے زیادہ خوبصورت اور مہذب کوئی اور خاتون نہیں۔ اور ہاں، ان کے یہ سنہری بال اصلی

ہیں: یہ وِگ نہیں ہے اور نہ ہی ڈائی کیے گئے ہیں۔"

پھر اس نے اپنی توجہ انیس ذکی کی طرف مبذول کی جو اپنے کام میں مگن تھا۔ "یہ انیس ذکی ہیں وزارتِ صحت کے ملازم، انہوں نے طب، سائنس اور قانون کی تعلیم حاصل کی اور ہر مرتبہ مکمل کیے بغیر واپس آئے۔ ایک ایسے شخص کی طرح جسے نمود و نمائش سے کوئی غرض نہ ہو محض علم سے غرض ہو نہ کہ ڈگریوں سے۔ یہ دیہی علاقے کی ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں لیکن کافی عرصے سے قاہرہ میں تنہا زندگی گزار رہے ہیں: اب یہ خاصے وسیع المشرب ہیں۔ ان کی خاموشی پر مت جائیں۔ یہ کم بولتے ہیں، اپنی ہی دنیا میں مست ہیں۔"

اس کے بعد احمد کا تعارف باقی تھا۔ "احمد نصر، وزارتِ سماجی امور میں اکاؤنٹس کے ڈائریکٹر۔ امورِ رابطہ اور مراسلہ کے سول ملازم۔ یہ اور بہت سے کاموں کے ماہر ہیں...... خرید و فروخت، مفید و کارآمد قسم کی اشیاء۔ ان کی ایک صاحبزادی آپ کی ہم عمر ہے، ثناء، لیکن یہ ایک منفرد شوہر ہیں، قابلِ توجہ، ذرا تصور کریں، ان کی شادی کو چوبیس سال ہو گئے اور ایک مرتبہ بھی اپنی زوجہ کو "دھوکہ" نہیں دیا۔ اس کی صحبت انہیں بیزار نہیں کرتی، بلکہ ازدواجی زندگی سے ان کی وابستگی مزید مضبوط ہو جاتی ہے۔ آئندہ منعقد ہونے والی میڈیکل کانفرنس میں وہ ایک کیس سٹڈی کے طور پر پیش کیے جانے چاہئیں۔"

رجب نے مصطفیٰ کی طرف اشارہ کرنا شروع کر دیا۔ "مصطفیٰ رشید، ایک معروف قانون دان، کامیاب وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ فلسفی بھی؛ ان کی شادی وزارتِ تعلیم کی ایک انسپکٹر سے ہوئی۔ یہ بڑی تندہی سے کسی "کامل" شخصیت کی تلاش میں ہے اور بلاشبہ ایسی ہی کسی رات وہ اس کو پانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن عزیزم اس سے چوکس رہنا کیونکہ یہ کہتا ہے کہ اب تک حقیقی نسوانیت اسے مل ہی نہیں سکی......"

پھر رجب نے علی کی پیٹھ پر ہاتھ مارا، "علی السید، ایک مشہور ادبی نقاد۔ آپ نے یقیناً اس کے مضامین پڑھے ہوں گے۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ وہ ایک "مثالی شہر" کا خواب دیکھتے ہیں، جو محض تصوراتی ہے۔ جہاں تک حقیقی زندگی کا تعلق ہے، اس کی دو بیویاں

ہیں، اور یہ ثانیہ کامل کے بھی دیرینہ دوست ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مزید کسی چیز کی وضاحت درکار نہیں۔"

آخر میں رجب نے خالد کی طرف اشارہ کیا، "خالد عزوز، اعلیٰ پائے کا افسانہ نگار۔ یہ ایک پارلیمنٹ، ایک بہترین گھر اور ایک کار کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ نظریہ ادب برائے ادب کے علمبردار ہیں، ایک بیٹے اور ایک بیٹی کے باپ ہیں۔ ان کا ایک ذاتی فلسفہ ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اسے کیا نام دیا جائے۔ لیکن ہرجائی پن اس فلسفے کی امتیازی خصوصیت ہے۔" وہ عادتاً اپنے دانت دکھاتے ہوئے مسکرا دیا۔ "اب صرف عم عبدہ کا تعارف باقی رہ گیا"، اس نے آہستہ سے کہا، "ہم یہاں آتے ہوئے باغ میں اس دیو قامت شخص کے قریب سے گزرے تھے۔ تم اب اس سے ملوگی، اس علاقے کا ہر شخص اسے جانتا ہے۔"

انیس نے عم عبدہ کو بلایا اور حقے کا پانی تبدیل کرنے کا کہا۔ وہ اسے اٹھا کر بغلی دروازے سے باہر گیا اور فوراً آ گیا، پھر دوبارہ واپس چلا گیا۔ ثناء کی آنکھیں اس دیو قامت شخص کو دیکھ کر حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ رجب نے کہا ہماری خوش قسمتی ہے کہ وہ ایک فرمانبردار شخص ہے ورنہ وہ جب چاہے ہمیں غرق کر سکتا ہے۔"

جب تک وہیل پانی میں ہے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، اس دوشیزہ کا ہاتھ اتنا ہی چھوٹا ہے جتنا نپولین کا، اس کے ناخن سرخ ہیں اور کسی ریس والی کشتی کے مستک کی طرح نوکیلے۔ "اب جبکہ وہ یہاں ہے ہم نے تمام ضابطے توڑ دیئے......" اندھیرا ان الفاظ میں ان سے مخاطب ہوا۔

مصطفیٰ نے کھانستے ہوئے پوچھا، "اور یہ محترمہ کس شعبے میں مہارت حاصل کر رہی ہیں؟"

"تاریخ میں"، اس نے خود جواب دیا، اس کی آواز بہت نازک تھی۔

"شاندار!" انیس نے زوردار آواز میں کہا۔

رجب نے ملامتی لہجے میں کہا "تمہاری جیسی خونریز تاریخ نہیں"۔

"اس کی تاریخ عمدہ چیزوں سے منسلک ہے!"

''تاریخ میں کوئی عمدہ چیز نہیں ہے۔''

''انٹونی اور قلوپطرہ کے جذبات سے متعلق کیا خیال ہے؟''

''وہ ایک خونیں جذبہ تھا۔''

''لیکن وہ جذبہ مکمل طور پر تلواروں اور نیزوں سے مزّین تو نہیں تھا۔''

علی نے کہا''چونکہ ہم پولیس اور فوج سے خوفزدہ ہیں، انگلستانی اور امریکیوں سے بھی، حاضر اور غائب سے بھی، لہٰذا ہم ایسی جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں ہم کسی چیز سے بھی خوفزدہ نہ ہوں!''

''لیکن دروازہ تو کھلا ہے!''

''عم عبدہ باہر ہے اور وہ یہاں داخل ہونے والوں سے نبرد آزما ہو سکتا ہے۔''

رجب مسکرایا اور اس لڑکی سے کہا،''اپنے تمام مسائل اور پریشانیاں فراموش کر دو، ''اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک!''

''ہر شخص فکر معاش میں مبتلا ہے۔صاحبان اختیار کو اور بہت سوں سے ہی فرصت نہیں کہ وہ ہم جیسوں کو چھیڑیں''۔

مصطفیٰ رشید نے اسے حقہ پینے کی دعوت دی اور مشورتاً کہا،''ذرا ہمت کر کے دیکھیں۔''اس نے بڑی شائستگی سے انکار کر دیا۔''ایک وقت میں ایک ہی قدم''، رجب نے کہا،''وہ نہتّی ہی خلائی ٹیکنالوجی کے سامنے آ گئی ہے، ابھی اسے سگریٹ بھر کر دیں''۔

دو منٹ بعد سگریٹ پیش کی گئی۔اس نے ذرا احتیاط سے پکڑ کر اسے اپنے ہونٹوں میں دبایا۔احمد نے اس کی طرف ذرا ہمدردانہ انداز میں دیکھا۔انیس کے ذہن میں خیال آیا کہ احمد اپنی بیٹی سے متعلق خوفزدہ ہو رہا ہے۔اور اگر میری اپنی دختر زندہ ہوتی تو وہ ثناء سے دوگنی عمر کی ہوتی۔

لیکن حقیقت کیا ہے، کیا تم اس زمین پر ہو یا کہیں اور چلی گئی ہو؟ تم انسان کے ابتدائی دور میں تو نہیں چلی گئیں۔ہم تاریخ کے اوقات کا ستاروں کے اوقات سے موازنہ تو نہیں کر سکتے۔ثناء یقیناً حضرت حواؑ کی ہم عمر ہے، ایک نہ ایک دن دریائے نیل کا پانی ہمارے سامنے

کوئی نئی چیز پیش کر دے گا، جسے، بہتر ہے کہ، کوئی نام نہ دیا جائے۔ اندھیرے کی آواز اس سے پھر مخاطب ہوئی: ''درست فرمایا''۔

مجھے یقین ہے کہ کسی رات یہی آواز مجھے کوئی مافوق الفطرت کام کرنے کا حکم دے گی۔ یہ ان لوگوں کے لئے حیران کن ہوگا جو معجزات پر یقین نہیں رکھتے۔ سائنسدانوں کا ستاروں پر یقین ہے، لیکن یہ ستارے کیا ہیں، درحقیقت یہ سنسان مقامات پر مبنی علیحدہ علیحدہ دنیائیں ہیں، جو ایک دوسرے سے ہزاروں نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں۔ آپ جو کوئی بھی ہیں کچھ نہ کچھ ضرور کریں، کیونکہ کچھ نہ کرنے سے ہم تباہ ہو گئے ہیں......

''کیا آپ کو مطالعے کا وقت مل جاتا ہے؟'' احمد نے ثناء سے پوچھا۔

رجب نے اس کی طرف سے جواب دیا، ''یقیناً، لیکن اسے فنون لطیفہ کا بھی جنون ہے۔''

اس لڑکی نے انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا ''مجھے اپنی تمام تر گفتگو کا موضوع مت بنائیں! خیالات کو بدل دیں۔''

''کیا تم ایکٹریس بننا چاہتی ہو؟'' احمد نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

جب ثناء مسکرائی اور اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تو اس نے گفتگو کا تسلسل ٹوٹنے نہ دیا ''لیکن''۔ رجب نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، ''خاموش، جواب دینے والے۔ میں یہ نفرت انگیز الفاظ سطحی طور پر استعمال نہیں کرتا۔'' اس نے ثناء کی ٹھوڑی اپنی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان دبائی اور اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ لیا۔ پھر اس کا بغور مشاہدہ کرتے ہوئے اس نے کہا: ''مجھے اپنا چہرہ پڑھنے دیں...... خوبصورت، اس تازہ کلی کے اندر ایک مخفی قوت ہے۔ ایک شیریں کھجور اور اس کے اندر ایک سخت مغز، ایک دوشیزہ کی نظر۔ جو تیوری چڑھانے پر، ایک عورت کی لطافت سے چمک اٹھی ہے!، آپ کے لئے کون سا کردار بہتر رہے گا؟''

''شاید، مسٹری آف دی لیک، میں لڑکی کا کردار۔''

اس کے دل میں شوق پیدا ہوا، ''یہ کردار ہے کیا؟''

وہ ایک بدّو لڑکی ہے جو ایک مکار مچھیرے سے محبت کرتی ہے۔ ان لوگوں میں سے

ایک جومحبت کو بالائے طاق رکھ کر تمام کام کرتے ہیں۔ وہ پہلے تو اس لڑکی کو حقیر سمجھتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ لڑکی اسے رام کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ بالآخر وہ مچھیرا اس پر جان نچھاور کرنے لگتا ہے،''کیا میں یہ کردار نبھا سکتی ہوں؟''

''میں ایک فطری رول ادا کرنے سے متعلق کہہ رہا ہوں''، رجب نے جواب دیا، ''ایک ایسا کردار جس پر پروڈیوسرز اور ڈسٹری بیوٹرز اعتماد کریں۔ فرض کرو۔ اپنے ہونٹ سکیڑ لو۔ مجھے دکھاؤ کہ تم بوسہ کیسے لوگی۔ پریشان ہونے سے بچنا۔ پریشانی اس ایکٹنگ کے فن کی دشمن ہے۔ اب ہر شخص کے سامنے، ایک شاندار بوسہ جسے ہر ہر طرح سے ایک بوسہ کہا جا سکے۔ ایک بوسہ جس کے بعد یقینی طور پر عالمی صورت حال بہتر ہو جائے......''

اس نے اپنے مضبوط اور لمبے ہاتھ اس کے جسم کے گرد جمائے، ان کے ہونٹ ایک بھرپور قوت اور گرمائش کے ساتھ ملے، اس وقت کمرے میں ایسا سکوت چھا گیا کہ حقے کی گڑگڑاہٹ بھی اسے نہ توڑ سکی۔ پھر مصطفیٰ رشید چلایا:''یہ اس قطعی حقیقت کی ایک جھلک تھی کہ جسے پانے کے لئے میں نے خود کو تھکا ڈالا۔''

''یہ دونوں ہی استاد ہیں'' خالد چلایا۔''میری طرف سے مبارک باد قبول کیجئے، یقیناً ہم سب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ہمیں تہذیب کے اس شاندار لمحے کو خراج تحسین پیش کرنا چاہیے۔ اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فاشزم مکمل طور پر رائج ہو چکا ہے۔ اور حکیم اقلیدس (۱) کے سارے فرامین ہوا میں اڑا دیئے گئے! ثناء۔ اب تمہارے لئے القابات کی ضرورت نہیں۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کرو......''

لیلیٰ مسکرائی،''خدا کے واسطے کسی اور کو بھی بولنے کا موقع دیں۔''

خالد نے بڑے تاسفانہ انداز میں کہا،''حسد کوئی جبلی جذبہ نہیں کہ جیسے نادان لوگ سمجھتے ہیں، یہ جاگیردارانہ نظام کی چھوڑی ہوئی وراثت ہے''۔

میں کوئی بازاری عورت نہیں، تف ہو! اے دریائے نیل کی بو، جو گرد اور تھکا دینے والے

---

(۱)۔ ایک یونانی حکیم کا نام، جس کے نام سے علم جیومیٹری کی بنیاد پڑی۔

سفر سے بھاری بھاری سی تھی۔ برازیل میں ایک ایسا قدیم درخت ہے جو اہرامِ مصر سے بھی پرانا ہے۔ کیا ان مخمور لوگوں کے درمیان میں اکیلا ہی ہوں جو تاریخ کے اس مدوجزر کے سامنے کھڑا مسکرا رہا ہوں؟ کیا میں ہی ہوں جس کے کان میں یہ سرگوشی ہوتی ہے کہ کسی دروازے پر چالیس دستکوں سے ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے؟ میں سیاروں کے ساتھ فٹ بال کب کھیلوں گا؟ بہت عرصہ ہوا میں ایک خونیں جنگ میں جھونک دیا گیا، اور میں تنہا ہی دشمنوں کو دھکیلتا رہا......

باہر بالکونی سے پرے ایک چمگادڑ گولی کی سی تیزی سے گزری۔ انیس چیتل کی ٹرے پر کی گئی نقاشی پر غور کرنے لگا، ایک دوسرے سے پیوستہ دائرے جو سونے اور چاندی کے سلمہ ستاروں سے سجے تھے، وہ اب راکھ اور تمباکو کے نشانات میں چھپتے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ اونگھا اور پھر غنودگی اس پر طاری ہو گئی۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ مصطفیٰ رشید اور احمد نصر وہاں سے چلے گئے ہیں، وہ دروازہ جہاں سے باغ کا نظارہ کیا جا سکتا تھا وہ لیلیٰ اور خالد نے بند کر دیا ہے، ثانیہ اور علی درمیان کے کمرے میں تھے۔ رجب اور ثناء بالکونی میں کھڑے ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ جو کمرہ خالی رہ گیا تھا وہ اس کا اپنا کمرہ تھا اور اس بات کا بھی قوی امکان تھا کہ اس رات اس کے کمرے کا دروازہ بھی اس کی طرف سے بند کیا جائے۔

محبوب آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

"یقیناً نہیں!"

"یقیناً نہیں؟ جس عہد میں ہم رہ رہے ہیں اس کے مطابق یہ کوئی مناسب جواب نہیں۔"

"میں اپنی محبوبہ کے ساتھ مطالعہ کر رہا ہوں گا۔"

"بہتر ہے کہ اسے کسی محبوب کے ساتھ ہی پڑھنے دیں"۔

انیس نے اپنی ٹانگ جو حقے سے ٹکرائی۔ حقہ گر گیا اور اس کا پانی بالکونی کی دہلیز پر پھیل گیا۔

کسی بھی چیز کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ حتیٰ کہ آرام بھی بے سود تھا۔ اور انسان نے اتنی سنجیدگی سے کوئی چیز نہیں بنائی جتنا کہ ڈھونگ۔ پھر عم عبدہ کے لمبے تڑنگے جسم سے لیمپ کی روشنی رکنے لگی۔

''کیا یہی مناسب وقت ہے؟'' اس بوڑھے شخص نے پوچھا۔

''ہاں۔''

عم عبدہ نے چیزیں اکٹھا کرنا شروع کیں اور بڑی احتیاط سے نشانات کو صاف کرنا شروع کیا۔ پھر انیس کی طرف دیکھا، ''تم اپنے کمرے میں کب جاؤ گے؟''

''وہاں آج ایک نئی دلہن ہے......''

''اوہ''

''کیا تم اسے پسند نہیں کرتے؟''

عم عبدہ مسکرایا، ''سڑکوں پر پھرنے والی لڑکیاں ان سے بہتر ہیں۔ اور سستی بھی۔''

انیس نے زوردار قہقہہ لگایا، اس کی آواز دریائے نیل کی سطح پر گونجی۔

''تم ایک جاہل شخص ہو''، انیس نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ خواتین ان لڑکیوں جیسی ہیں؟''

''کیا ان کی زیادہ ٹانگیں ہیں۔''

''یقیناً نہیں، مگر یہ معزز خواتین ہیں!''

''اوہ!''

''آہ!'' انیس بڑبڑایا۔

''تو کیا تم بالکونی میں سو جاؤ گے تاوقتیکہ شبنم کے قطرے تمہارا منہ دھو ڈالیں؟'' عم عبدہ نے پوچھا۔ اس نے جاتے ہوئے انیس کو سلوٹ کیا اور کہا کہ وہ فجر کی اذان دینے جا رہا ہے۔

انیس نے ستاروں کی طرف دیکھا اور انہیں گننا شروع کر دیا۔ گنتی نے اسے تھکا دیا...... پھر ٹھنڈی ہوا چلنا شروع ہوئی جس میں محل کے باغات کی خوشبو بھی شامل تھی۔ خلیفہ

ہارون الرشید خوبانی کے درخت کے نیچے آرام دہ کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے گرد طوائفیں اٹھلاتی پھر رہی تھیں۔ تم سنہری جگ میں اس کے لئے شراب انڈیل رہے تھے۔ خلیفہ، عوام کا آقا و مولا، بہتر سے بہتر ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ وہ ہوا سے بھی زیادہ شفاف ہو گیا۔ ''جو کچھ تمہارے پاس ہے مجھے لا کر دو!'' خلیفہ نے تم سے پوچھا۔

تمہارے پاس کوئی شے نہیں تھی لہٰذا تم نے کہا کہ میں پہلے ہی مر چکا ہوں۔ پھر ایک کنیز نے ساز کے تار ہلائے اور یہ بول گنگنائے:

مجھے محبت کے جنون والے ایام یاد ہیں،

خوف کے مارے میرے سینے پر جھک جانا کہ کہیں یہ دل شکستہ نہ ہو جائے،

محبت بھری شامیں اب کہیں چلی گئی ہیں،

خلیفہ ہارون الرشید اتنا بے خود ہوا کہ اس نے اپنے ہاتھ اور پیر تھپتھپانا شروع کر دیئے۔ اور تم نے کہا: ''اب تمہاری باری ہے''، اور وہاں سے کھسک گئے، لیکن اس لحیم گارڈ نے تمہیں دیکھ لیا اور تمہاری طرف بڑھا، تم بھاگے اور وہ تمہارے پیچھے دوڑا، اس نے اپنی تلوار بے نیام کی ہوئی تھی، تم چیخے اور خاندانِ رسالت کو اپنی مدد کے لئے پکارا، جبکہ اس نے تمہیں محل کے قید خانے میں ڈالنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

(۵)

ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کے بعد انیس تر و تازہ ہوا اور غروب آفتاب کا منظر غور سے دیکھنے لگا۔ ایک نیم خوابیدہ اور پر تاثیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دریائے نیل کے اُفق پر سفید فاختاؤں کے غول سایہ فگن تھے۔ اگر وہ ڈائریکٹر جنرل کو کشتی گھر آنے کی دعوت دیتا تو اسے بالکل اسی منظر کی طرح پرسکون زندگی کی ضمانت مل گئی ہوتی جو اس کانٹوں بھری زندگی سے بالکل آزاد ہوتی۔ اس نے کڑوی سیاہ کافی کا گھونٹ بھرا، اس کافی میں کچھ ''جادو'' بھی بھرا ہوا تھا اور اب اس نے اسی جادو کو اپنی زبان سے اچھی طرح چاٹا۔

تمام دوست اکٹھے ہو کر پہنچ گئے۔ انہی لوگوں میں رجب اور ثناء بھی تھے۔ وہ گزشتہ تمام ہفتے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے، اور اب تو ثناء بھی اس حقے سے آشنا ہو گئی تھی۔ وہی ثناء جس کے بارے میں احمد نصر نے رجب کے کان میں کہا تھا، ''یہ ابھی کم عمر ہے!'' اور رجب نے اپنی کہنی انیس کے گھٹنے پر مارتے ہوئے احمد نصر کو جواب دیا تھا: ''میں اس کی زندگی میں داخل ہونے والا پہلا فنکار نہیں!'' اور لیلیٰ زیدان نے اعلانیہ کہا تھا: ''شامت اعمال ہے ان لوگوں کی جو اس عہد میں محبت کی قدر کرتے ہیں کہ جس میں محبت کی قدر رہے ہی نہیں!''

احمد کو کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کے سامنے وہ اپنے رجعت پسندانہ خیالات کا اظہار کرے۔ سوائے انیس کے، وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا: ''شاندار! یہ بات عجیب ہے کہ ماضی کی طوائف آج کی فلسفی بن جائے!''

''فلسفے کے ساتھ یہی کچھ ہوتا ہے''، انیس بولا۔

علی السید نے اپنی انگلیاں چٹخائیں، تمام لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس نے بڑی سنجیدگی سے گفتگو شروع کی، ''بیشتر اس کے کہ آپ سب لوگ ذہنی طور پر مفلوج ہو جائیں مجھے ایک پیغام دینا ہے۔'' جب محفل میں سے کچھ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے

بڑے صاف لہجے میں کہا: ''سمارا بہجت کشتی گھر آنے کی خواہش رکھتی ہے۔''

اب دلچسپی خاصی بڑھ گئی۔ انیس سمیت تمام افراد کی نگاہیں اس پر مرکوز ہو گئیں، اگر چہ انیس نے حقے سے متعلق اپنا کام جاری رکھا۔

''وہ جو صحافی ہے؟''

''یقیناً وہی، میرے ساتھ کام کرنے والی خوبصورت اور مشہور صحافی۔''

اس خبر کو سن کر ایک سکوت سا طاری ہو گیا۔ موہوم قسم کی نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ بالآخر احمد نے دریافت کیا ''لیکن وہ یہاں کیوں آنا چاہتی ہے؟''

یہ میں ہی ہوں جس نے اس کی ذات سے متعلق دلچسپی تمہارے اندر پیدا کی۔ ہمارے درمیان کشتی گھر سے متعلق خاصی طویل گفتگو کا سلسلہ رہا ہے۔''

''لیکن تمہاری گفتگو تو بڑی فضول ہوتی ہے''، رجب نے جملہ کسا، ''لیکن کیا تمہاری دوست کشتی گھر کو پسند کرتی ہے۔''

''مسئلہ یہ نہیں کہ وہ پسند کرتی ہے یا نہیں۔ وہ یہاں ایک سے زائد لوگوں کو جانتی ہے۔ میں جو اس کا دوست اور شریک کار ہوں۔ خالد عزوز سے متعلق، اس کی کہانیوں کی وجہ سے اور تمہیں تمہاری فلموں کی وجہ سے۔''

''میرا خیال ہے کہ اسے معلوم ہے۔ وہ ہم لوگوں سے اور ہماری دنیا سے بالکل ناآشنا نہیں، خاص طور پر اپنے کام کی نوعیت کی وجہ سے اور زندگی کے تجربے کی وجہ سے۔''

''اگر ہم اس کی تحریروں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس کی شخصیت کا اندازہ لگانا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ انتہائی سنجیدہ خاتون ہے''، رجب بولا۔

''وہ یقیناً سنجیدہ ہے، لیکن ہر شخص کا دنیاوی زندگی کے حوالے سے کوئی نہ کوئی ذوق و شوق ہوتا ہے۔''

''کیا اس نے اس قسم کی دیگر تفریحات بھی کی ہیں؟''

''مجھے ایسا ہی خیال کرنا چاہیے۔ وہ دوستانہ مزاج رکھنے والی خاتون ہے۔ وہ لوگوں کو پسند کرتی ہے۔''

''لیکن ہم اس کی موجودگی میں پابند ہو جائیں گے''، احمد نے مدلل انداز میں کہا۔

''نہیں نہیں۔ اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''تو کیا وہ شرکت کرے گی؟''

''کسی حد تک...... ہماری گناہوں سے پاک سرگرمیوں میں، جو کہ......''

''گناہوں سے پاک! تو کیا پھر سے پوچھا جائے گا!''

علی نے اس بات پر زور دیا کہ وہ کسی اور مقصد کے تحت نہیں آ رہی بلکہ ان سے متعلق جاننے کے لئے آ رہی ہے۔

''خود کو اس مسئلے میں مزید مت الجھاؤ، ایسا نہ ہو کہ حقے کی شہرت خراب ہو۔ یاد کرو کہ عربوں کی فتح کی خبر اہل فارس نے کیسے موصول کی......'' انیس مسکرایا۔ اس نے پیتل کی ٹرے میں کچھ مردہ پروانوں کی طرف اشارہ کیا، اسی چیز نے اسے پوچھنے پر مجبور کیا: ''ان پروانوں کا تعلق جانوروں کی کس قسم سے ہے؟''

یہ سوال ان سب کے خیالات کے تسلسل میں بڑے خفا کر دینے والے انداز میں ہوا۔

''دودھ دینے والے جانوروں میں!'' مصطفیٰ رشید نے بڑے مزاحیہ انداز میں جواب دیا۔!

''پیغام رساں کا کام محض پیغام رسانی ہے''، علی نے گفتگو جاری رکھی، ''اگر تمہیں یہ نظریہ پسند نہیں تو......'' رجب پھر مخل ہوا، ''ہم نے خواتین کی رائے نہیں لی''۔

لیلیٰ نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی ثانیہ نے۔ جہاں تک ثناء کا تعلق ہے، اس نے تجویز پیش کی کہ انیس، احمد اور مصطفیٰ کو فیصلہ کرنے دیں، ''کیونکہ یہی لوگ ہیں جنہیں گرل

فرینڈز کی ضرورت ہے"۔

"نہیں، نہیں" علی نے احتجاجاً کہا، "کیسا فرسودہ خیال ہے، برائے مہربانی مجھے پریشان مت کرو!"۔ "لیکن ایسی صورت میں"، ثناء نے اپنی زلفوں کی ایک پریشان لٹ کو ماتھے پر سے ہٹاتے ہوئے کہا، "تم کیوں چاہتے ہو کہ وہ یہاں آئے؟"

"میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں!"

"اگر پروانہ دودھ دینے والا جانور ہے تو"...... انیس نے اپنے خیالات کا تسلسل برقرار رکھا...... "تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تمہاری دوست کا تعلق بھی اسی طبقے سے نہیں؟"

علی نے انیس کی مداخلت کی پرواہ کیے بغیر کہا، "تمہاری آزادی کی ہر ہر طریقے سے ضمانت ہے تم جو چاہو کہہ سکتے ہو اور جو چاہو کر سکتے ہو۔ سگریٹ پی سکتے ہو، فحش مذاق کر سکتے ہو، کوئی پوچھ گچھ نہیں ہے، کوئی چھان بین نہیں اور نہ ہی کسی کی رپورٹرز والی چالاکی۔ تم ہر طریقے سے مطمئن رہو۔ لیکن یہ تمہارے لئے مناسب نہیں کہ تم اس کے ساتھ ایک گھٹیا قسم کی خاتون جیسا سلوک کرو۔"

"گھٹیا خاتون!"

"میرا کہنے کا مطلب ہے کہ وہ ایک شاندار خاتون ہے، ہم سب کی طرح، جس کے ساتھ اس قسم کا سلوک نہیں ہونا چاہیے کہ جیسے وہ...... خراب۔"

احمد بولا، "یقین کرو مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"آپ سے یہی توقع کی جا سکتی ہے۔ اے مجسم بیسویں صدی۔ دیگر ہر شخص مجھے بغیر وقت کے سمجھ سکتا ہے۔"

خالد بولا، "شاید اپنے ان مضامین کے باوجود وہ اصل میں ایک غیر اصلاح شدہ بورژوائی خاتون ہے۔"

''وہ کسی طرح بھی بورژوائی خاتون نہیں۔''

''آپ اس سے متعلق ہمیں کچھ کیوں نہیں بتادیتے،'' مصطفیٰ نے تجویز پیش کی،'' یہ ہمارے لئے زیادہ فائدہ مند ہوگا''۔

''کیوں نہیں۔ وہ پچیس سالہ خاتون ہے۔ اس نے تقریباً بیس سال کی عمر میں انگریزی میں گریجویشن کی، وہ ایک شاندار صحافی ہے، اپنے ہم عمر لوگوں سے کہیں زیادہ بہتر۔ فنونِ لطیفہ کے پیشہ سے متعلق بھی اس کے کچھ عزائم ہیں جن کی تکمیل کے لئے وہ پراُمید ہے۔ وہ زندگی کو سنجیدگی سے دیکھتی ہے لیکن وہ دوستوں میں بڑی خوش باش رہتی ہے۔ اس بات سے ہر شخص واقف ہے کہ اس نے بورژوا طبقے سے تعلق رکھنے والے ایک امیر کبیر شخص سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا باوجود اس کے کہ وہ خود ایک معمولی تنخواہ دار خاتون ہے۔''

''کیوں؟''

''وہ شخص تقریباً چالیس سال کا تھا، ایک فرم کا ڈائریکٹر، ایک اپارٹمنٹ کا مالک بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کے والد کی طرف سے اس کا رشتہ دار بھی تھا۔ لیکن میرے ذاتی خیال میں وہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی......''

خالد نے کہا'' اگر ہم اس کے مزاج کے حوالے سے اس کا مشاہدہ کریں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک انقلابی سوچ کی مالک خاتون ہے۔''

''اگر آپ کا جی چاہے تو آپ اسے ترقی پسند بھی کہہ لیں مگر وہ اصل میں حقیقت پسند اور مخلص ہے''۔

''کیا وہ کبھی گرفتار بھی ہوئی ہے؟''

''نہیں، میں اسے اپنی شریک کار کی حیثیت سے جانتا ہوں، جب سے اس نے 'کلّی شئے'، نامی میگزین میں اپنی ملازمت شروع کی۔''

''شاید اس وقت وہ طالبہ تھی؟''

''میرا خیال ہے نہیں، یا پھر اس سے متعلق مجھے مزید آ گہی اس سے طویل گفتگو کے دوران ہو جاتی۔ بہر حال اس چیز سے، اس خاتون کے بارے میں میری رائے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

ثناء بولی: ''آپ اتنی خطرناک عورت کو کشتی گھر کیوں بلانا چاہتے ہیں، جبکہ وہ ہمیں کسی بھی طرح محظوظ نہیں کرسکتی؟''

لیلیٰ نے کہا: ''اسے یہاں ضرور آنا چاہیے، ہمیں اس جگہ نئی شخصیت کی ضرورت ہے۔''

''فیصلہ کرلو''، علی بولا، ''وہ اس وقت کلب میں موجود ہے، اگر تم چاہو تو میں اسے ٹیلی فون کرکے بلا سکتا ہوں۔''

انیس نے پوچھا ''کیا تم نے اسے بتا دیا تھا کہ یہ وہیل ہی ہے جو ہمیں یہاں اکٹھا کرتی ہے۔''

علی نے جواب نہیں دیا۔ اس نے ووٹ حاصل کرنے کی تجویز پیش کی۔ انیس اپنی دیرینہ یادوں پر خود ہی ہنس دیا۔ اس نے کہا کہ عم عبدہ کو بلا کر اس کی رائے بھی لی جائے۔
رجب نے اپنا ہاتھ ثناء کی پشت پر رکھا اور ٹیلی فون کی طرف چلا گیا۔

(٦)

ٹیلی فون کرنے کے آدھے گھنٹے بعد علی السید نئی آنے والی شخصیت کے استقبال کے لئے دروازے کی طرف بڑھا۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں راہداری سے قدموں کی بڑی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ احمد نے بلند آواز میں کہا کہ اگر وہ اس حقے کو چھپا دیتے تو اچھا ہوتا کہ وہ نئی آنے والی خاتون کے سامنے خود کو الجھن کا شکار نہ سمجھتے۔ مگر رجب نے انیس کی طرف اشارہ کیا، ''اس سلسلے کو جاری رکھو''

سمارا اسکرین کے پیچھے سے علی السید کے ساتھ تمام افراد کی نگاہوں کا سامنا کرتی ہوئی بڑے پرسکون، دوستانہ اور آزادانہ انداز میں داخل ہوئی۔ تمام افراد اس کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے۔ حتیٰ کہ انیس بھی کھڑا ہو گیا، اس کے سفید چوغے میں ٹخنوں تک سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ علی نے روایتی طور پر تعارف کرانے شروع کر دیئے۔ احمد نے اسے کرسی کی پیش کش کی مگر اُس نے گدے پر بیٹھنا ہی پسند کیا اور رجب ثناء کے مزید قریب ہو گیا تا کہ اس کے لئے جگہ بنا سکے۔ انیس نے چوری چھپی نظروں سے اسے دیکھنا شروع کر دیا۔ جیسا اس نے سنا تھا ویسا ہی پایا، کوئی چیز بھی معمول سے مختلف نہیں تھی، وہ یقیناً ایک پاکباز خاتون تھی، مگر اس کے باوجود بھی اس میں بھرپور نسوانیت تھی۔ جھکی نگاہوں سے ہی اس نے دیکھا کہ اس کی سانولی رنگت میک اپ کے باوجود عیاں ہے۔ اس کے نین نقش اس کے سادہ حسن و جمال کی طرح دکھائی دیتے تھے، لیکن اس کی نظروں میں ایک ذہانت نظر آتی تھی، جو اس کی شخصیت کا صحیح اندازہ لگانے میں دقت پیدا کرتی تھی۔ اپنے تصورات میں وہ اسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا، لیکن کس گزشتہ عہد میں؟ کیا وہ ملکہ تھی یا رعایا؟ اس نے نظریں چراتے ہوئے اسے پھر سے دیکھا، اس مرتبہ اسے ایک نئی تصویر نظر آئی! اس نے اس منظر کو سمونے کی کوشش کی مگر توجہ مرکوز کرنے کے عمل نے اسے تھکا ڈالا اور اس نے دریائے نیل کا رُخ کر لیا۔

تعارف وتسلیمات کے شور کے بعد ذرا خاموشی ہوئی۔ حقے کی گڑگڑاہٹ اور جھینگروں کا چرکنا ایک دوگانے کا سا ئثر پیدا کر رہا تھا۔ سمارا بڑی سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقے کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ جب انیس نے حقے کا پائپ اسے پیش کیا تو اس نے ''آداب محفل'' کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اسے اپنے ہونٹوں میں رکھ کر دبایا اور بغیر کش لئے رجب کو پیش کر دیا جس نے یہ کہہ کر اسے وصول کیا: ''اپنے آرام کی جگہ آجاؤ۔''

اس نے رجب کا رخ کیا، ''میں نے آپ کو آپ ہی کی آخری فلم ''شجرِ بے ثمر'' میں دیکھا تھا، میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ آپ نے اپنا کردار بڑا شاندار ادا کیا۔''

وہ اتنا منکسر المزاج نہیں تھا کہ اپنی تعریف سے پریشان ہو جائے، اس نے بڑی ہوشیاری سے پوچھا، ''یہ رائے ہے یا خوشامد؟''

''یہ یقیناً رائے ہے جو میرے علاوہ دیگر لاکھوں افراد بھی رکھتے ہیں!''

انیس نے دھوئیں کے بیچ ثناء کو اپنی ''زلفِ پریشاں'' سلجھاتے دیکھا اور مسکرایا۔ خود ڈائریکٹر جنرل، اپنے تمام تر ہدایت ناموں کے باوجود بھی، جو اسے انتظامیہ نے ارسال کئے، تمام تر دفتری امور اور سرگرمیوں پر کنٹرول نہیں کر سکتا۔ بڑے ستاروں سے جدا ہونے والے ہزاروں دمدار ستارے، زمین کی فضاء میں پھینکے جانے کے بعد یا تو جل گئے یا ضائع ہو گئے اور ان میں سے کوئی بھی محفوظ مقام تک نہیں پہنچ سکا۔ اور نہ ہی ان کا شمار ریکارڈ میں ہو سکا۔ جہاں تک درد کا تعلق ہے اس میں دل ہی کی بادشاہت ہے......

اب سمارا خالد عزوز سے مخاطب تھی، ''آپ کا جو آخری افسانہ میری نظر سے گزرا وہ ایک بانسری نواز سے متعلق تھا......''

خالد نے اپنی عینک کو درست کیا، ''وہ بانسری نواز، جس کی بانسری ایک سانپ کی صورت اختیار کر گئی تھی''، اس نے گفتگو جاری رکھی۔

''اور اس کی اشاعت کے بعد سے اس میں اژدھے کی خصوصیات پائی جانے لگی ہیں''، مصطفیٰ نے کہا۔

''ہمارا دوست اس پرانے دبستان کی ایک سرکردہ روشنی ہے، جو دبستان فن برائے فن کی نمائندگی کرتا ہے''، علی بولا،''اس کشتی گھر میں کسی اور چیز کی توقع مت رکھیں۔''

مصطفیٰ نے کہا''میرے خیال میں کچھ ہی دیر بعد ایک غیر منطقی تھیٹر، جسے عام طور پر احمقانہ کہا جاتا ہے، کی یہاں بنیاد رکھی جائے گی۔''

''لیکن ایک آرٹ بننے سے پہلے ہی حماقت ہمارے ہاں بکثرت پائی جاتی ہے۔ تمہارا ساتھی علی السید اپنے احمقانہ خوابوں کی وجہ سے مشہور ہے اور مصطفیٰ رشید اسی حماقت کے پیچھے ایک حتمی شے کی وضع میں مارا پھرتا ہے۔ اور ہماری خوشیوں کا منبع......اس کی تمام زندگی، حماقت پر مبنی ہے، آج سے بیس سال قبل، جب سے اس نے دنیا سے اپنا ناطہ توڑا۔''

سمارا نے اپنی سنجیدگی کو بالائے طاق رکھ کر بڑا زوردار قہقہہ لگایا''پھر میں یقیناً ایک دانا خاتون ہوں، میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ مجھے آپ لوگوں سے دلچسپ چیزیں ملیں گی!''

''کیا یہ آپ کی چھٹی حس جس نے آپ کو بتایا یا پھر علی کی بکواس تھی کہ جس سے آپ کو علم ہوا؟''

''اس نے تو محض اچھی بات ہی کی ہے!''

''لیکن ہمارا کشتی گھر کوئی منفرد چیز نہیں ہے؟''

''ہاں شاید نہیں ہے مگر جتنے زیادہ لوگ یہاں ہیں ان میں سے بہت کم ایسے لوگ ہیں جو دوستی نبھا سکیں۔''

''میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کسی صحافی کے منہ سے یہ الفاظ سنوں۔''

''لوگ ہمارے سامنے اسی طرح آتے ہیں جس طرح وہ کیمرے کے سامنے آتے ہیں۔''

خالد نے کہا،''کیا ہم آپ کو ایک سنجیدہ اور سیدھے سادھے انداز میں نہیں ملے، آپ کب ہمیں ایسا سمجھیں گی؟''

وہ مسکرائی اور کہا،''ایسا جان لیں کہ میں نے آپ کو ایسا ہی سمجھا ہے، یا مجھے تھوڑا وقت دیں۔''

انیس نے چلم میں تھوڑے کوئلے رکھے اور اسے بالکونی میں لے گیا جہاں ہوا ذرا تیز تھی۔ ذرا انتظار کے بعد آگ بھڑک اٹھی حتیٰ کہ سیاہ کوئلہ نرم، بھڑکتے ہوئے، چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی سی صورت اختیار کر گیا۔ شعلوں کی درجنوں چنگاریاں بلند ہوئیں، ان کے ساتھ ایک خوبصورت شام کا ماحول، پھر وہ پھیلنا شروع ہوئیں، وہ شفاف تھیں اور ان کے سِرے نیلے تھے۔ پھر کوئلہ چٹخا اور اس میں سے چنگاریاں بھڑک کر پھیل گئیں۔ خواتین کی چیخیں سنائی دیں۔ انیس نے وہ چلم اپنی جگہ رکھ دی۔ وہ خود آگ کے اس کھیل پر اپنی دسترس مانتا تھا۔ اس کے لئے وہ سرخ گلاب، سبز گھاس اور بنفشی صبح سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی، وہ اپنی اس تخریبی قوت کو کس طرح مخفی رکھ سکتا تھا؟ اگر تم اس طرف مائل ہو تو تمہیں اس شخص کی کہانی سنانی چاہیے۔ جس نے آگ دریافت کی۔ وہ پرانا دوست جس کی ناک علی جیسی تھی اور جس کی شخصیت رجب جیسی اور قد کاٹھ عم عبدہ جیسا...... وہ اچھوتا خیال کہاں گیا؟ وہ خیالات کا سلسلہ تبدیل ہی کرنے والا تھا جب وہ چلم کو بالکونی میں لے کر چل پڑا......

''میں ایک قانون دان ہوں''، مصطفیٰ کہہ رہا تھا، ''اور قانون دان جبلی طور پر بدترین ہی سوچتے ہیں۔ میں یہ بھی تصور کر سکتا ہوں کہ آپ ہمارے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں!''

''ہمارے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں''۔

''آپ کے مضامین تشکیک کے حوالے سے کڑی تنقید کا اظہار کرتے ہیں اور ہم خود بھی اسی تشکیک کا شکار ہو سکتے ہیں!''

''نہیں نہیں''، اس نے جواب دیا، ''کوئی شخص بھی کسی دوسرے کے بارے میں اس کے فارغ اوقات کی سرگرمیوں سے اندازہ نہیں لگا سکتا''۔

رجب مسکرایا: ''یہ کہنا بہتر ہے کہ زندگی کے فارغ اوقات!''

''مجھے یہ مت باور کرائیں کہ میں آپ لوگوں کے لئے کوئی اجنبی ہوں''، سمارا نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اپنے بارے میں ایسی گفتگو بد اخلاقی ہے۔''

’’احمد بولا، ’’دراصل ہم آپ کے بارے میں جاننے کی کوشش کررہے ہیں۔‘‘

’’میں کوئی پراسرار شے نہیں!‘‘ سمارا نے کہا۔

’’مصنف کے مضامین اس کی شخصیت کو جاننے میں مدد کرتے ہیں‘‘ علی نے کہا۔

’’جس طرح آپ کے تنقیدی مضامین‘‘؟ مصطفیٰ نے پوچھا۔

کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ حتیٰ کہ علی بھی خاصی دیر تک ہنستا رہا۔ بالآخر اس نے کہا، اس کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی: ’’میں تم لوگوں میں سے واحد ہوں، اے میرے عہد کے عیاش لوگو!‘‘، جوکوئی بھی دوستوں کی طرح کام کرتا ہے وہ غلطی پر نہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہ لڑکی مخلص ہے۔‘‘

’’ہر شخص سوشلزم کے بارے میں لکھ رہا ہے‘‘، خالد نے گفتگو شروع کی، ’’جبکہ اکثر لکھاری بہتر زندگی کا خواب دیکھتے ہیں، خاص طور پر معاشرے کی خیرہ کن راتوں کا۔‘‘

’’کیا آپ لوگ یہی معاملات زیر بحث لاتے ہیں‘‘، سمارا نے دریافت کیا۔

’’نہیں، مگر ہم مجبور کردیئے جاتے ہیں اگر کوئی ہماری زندگی پر تنقید کرے تو......‘‘ انیس نے عم عبدہ کو بلایا۔ وہ لحیم بوڑھا شخص اندر آیا اور بغلی دروازے سے حقے کو اٹھا کر لے گیا اور اس کا پانی تبدیل کرنے کے بعد اسے واپس لے آیا۔

جتنی دیر وہ کمرے میں رہا۔ سمارا کی نگاہیں اسی پر مرکوز رہیں۔ جب وہ چلا گیا تو وہ دھیمی آواز میں بولی: ’’یہ آدمی کا کتنا شاندار دیوقامتی روپ ہے۔‘‘

علی کو یاد آیا کہ عم عبدہ ہی وہ واحد شخص ہے جسے اس نے سمارا سے متعارف نہیں کرایا۔

’’یہ ایک دیوقامت شخص ہے‘‘، اس نے کہا، ’’مگر یہ کم ہی بولتا ہے، یہ ہر کام کرتا ہے مگر یہ شاذ ہی کوئی لفظ اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دائمی زمانہ حال میں رہتا ہے کہ آپ اس سے متعلق جو کچھ بھی کہیں وہ درست ثابت ہوگا، یہ مضبوط ہے اور کمزور بھی، ہے بھی اور نہیں بھی، یہ قریبی مسجد میں امام جماعت بھی ہے اور ہمیں عورتیں بھی مہیا کردیتا ہے!‘‘

سمارا خاصی دیر مسکراتی رہی، ’’واقعی‘‘!، اس نے کہا، ’’میں نے اسے پہلی مرتبہ ہی بڑی

مشتاق نگاہوں سے دیکھا تھا!''

''ہماری باری کب آئے گی!'' رجب نے بغیر سوچے سمجھے کہا۔

ثناء نے اپنی توجہ ہٹانے کے لئے اپنا چہرہ نیل کی طرف کیا اور رجب نے معذرت کے سے انداز میں اپنا ہاتھ اس کے جسم کے گرد ڈالا۔ انیس کے ذہن میں بے ترتیب سوالات کا سلسلہ آ گیا۔ جس طرح آج کی رات دوستوں کا یہ گروپ اکٹھا ہے۔ اسی طرح مختلف قسم کے لباس میں ملبوس لوگ۔ کیا یہ لوگ سلطنت روما کے عہد میں اکٹھے ہوئے تھے؟ کیا انہوں نے روم کو نذرِ آتش ہوتے دیکھا؟ اور چاند، پہاڑوں کو پیچھے کرتے ہوئے، کیوں زمین سے علیحدہ ہوا؟ انقلابِ فرانس میں وہ کون تھا جو ایک خوبصورت عورت کے ہاتھوں باتھ روم میں قتل ہوا؟ اور اس کے کتنے ہم عصر دائمی قبض کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلے گئے؟ جنت سے نکالے جانے کے کتنے عرصے بعد حضرت آدمؑ کا حضرت حوّاؑ سے جھگڑا ہوا؟ کیا حضرت حوّاؑ نے اپنے ہاتھوں لائی جانے والی تباہی کا ذمہ دار حضرت آدمؑ کو ٹھہرانے کی کبھی کوشش کی؟

لیلیٰ نے سمارا کی طرف دیکھا اور بولی، ''کیا تمہارا ذہن ہمیشہ صاف رہتا ہے۔'' کافی اور سگرٹیں۔ مزید کچھ نہیں۔

''جہاں تک ہمارا تعلق ہے، اگر ہم نے کبھی توڑ پھوڑ یا نشے سے متعلق سنا تو ہم حیران و پریشان ہو گئے''، مصطفیٰ نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔

''کیا یہ کوئی بری بات ہے!''

رجب کو یاد آیا کہ ان کے پاس کچھ وہسکی موجود ہے۔ سمارا نے ایک گلاس بخوشی قبول کیا اور رجب مزید اٹھانے کے لئے کھڑا ہوا۔ پھر سمارا نے پوچھا کہ وہ تمام لوگ اس حقے سے اتنے مانوس کیوں ہیں۔ کسی نے بھی جواب دینے کی جسارت نہ کی۔ حتیٰ کہ علی بولا: ''یہ ہمارا نقطۂ ماسکہ ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی، کہیں بھی اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا یہاں آ کر ہوتا ہے۔''

اس نے سر ہلایا اور اس بات سے اتفاق کیا کہ یہ یقیناً ایک شاندار پارٹی تھی۔ پھر ثانیہ کامل اس سے مخاطب ہوئی، ''آپ اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں جا سکتیں۔ آپ کے پاس

بہت کچھ کہنے کے لئے ہے۔ جو بلاشبہ اس معاملے سے متعلق ہے!''

''میں بے موقع ومحل چیزوں کو دوہرانا نہیں چاہتی اور نہ ہی میں کسی نصیحت آمیز ایکٹ کی طرح سامنے آنا چاہتی ہوں''۔

''لیکن ہمیں آپ کی رائے درکار ہے!'' احمد نے احتجاجاً کہا۔

''میں اس کو ہر ہفتے بیان کرتی ہوں''، سمارا نے وہسکی کی ایک چسکی لیتے ہوئے کہا، ''لیکن آپ لوگوں کے پاس اس سے متعلق کہنے کے لئے کیا ہے؟''

''ہونہہ''، مصطفیٰ نے بات شروع کی، ''دن کے آدھے حصے میں ہم اپنی روزی کماتے ہیں اور اس کے بعد اس کشتی گھر میں بیٹھ کر نیلے پانی پر سیر کے لئے نکل جاتے ہیں''۔

اب اپنی حقیقی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے پوچھا، ''کیا آپ لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ کے گردونواح میں کیا ہو رہا ہے؟''

''ہم کبھی کبھار ہنسی مذاق کی خاطر اسے مفید قرار دیتے ہیں۔'' وہ بڑی بے یقینی سے مسکرائی۔ مصطفیٰ نے گفتگو جاری رکھی: ''شاید تم خود سے مخاطب ہو، یہ مصری ہیں، یہ عرب ہیں، یہ انسان ہیں اور تو اور یہ لوگ تعلیم یافتہ ہیں، لہٰذا ان کے معاملات کی حدود نہیں ہیں۔''

''لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم نہ تو مصری ہیں نہ عرب اور نہ ہی انسان، ہمارا تعلق کسی سے بھی نہیں۔ سوائے اس کشتی گھر کے......''

وہ ہنس پڑی، جیسے وہ کسی شاندار لطیفے پر ہنسی ہو، مصطفیٰ نے گفتگو جاری رکھی: ''جب تک کشتیاں سلامت ہیں، رسے اور زنجیریں مضبوط ہیں، عم عبدہ جاگ رہا ہے اور حقہ تازہ ہے، اس وقت تک ہمارا کسی اور چیز سے کوئی تعلق نہیں۔''

''لیکن کیوں!'' اس نے استفسار کیا اور پھر کچھ دیر کے لئے سوچا۔

''نہیں''! اس نے ترمیم کی، ''مجھے پاتال میں پھنسنے کی ترغیب مت دو، میں خود کو ایک وعظ و نصیحت کرنے والی شخصیت نہیں بنانا چاہتی۔''

''مصطفیٰ کو اتنی سنجیدگی سے مت لو'' علی نے تجویز پیش کی۔

ہم اتنے خودغرض نہیں جتنا وہ ہمیں بنا دیتا ہے۔ لیکن ہم دیکھ سکتے ہیں حالات کی کشتی ہماری رائے اور مدد کے بغیر چلتی رہتی ہے اور ہماری طرف سے مزید کوئی سوچ بے معنی ہے، اور وہ مایوسی اور ہائی بلڈ پریشر ہی پیدا کر سکتی ہے۔''

ہائی بلڈ پریشر۔ جیسے ملاوٹ شدہ نشہ۔ میڈیکل سٹوڈنٹ جب کالج میں داخل ہوتا ہے تو ٹینشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ ڈائریکٹر جنرل خود آپریشن تھیٹر سے بھی بدتر ہے۔ آپریشن تھیٹر میں وہ پہلا دن! اس موت کی طرح جو میرے شعور میں پہلی موت تھی۔ ان کی موت جو میرے لئے انتہائی انمول تھے۔ یہ مہمان خاموشی میں بہت عمدہ ہے، بہت خوبصورت ہے۔ اس کے جسم سے مہک آتی ہے۔ رات جھوٹ ہے، کیونکہ یہ دن کی نفی ہے۔ جب اجالا ہوتا ہے تو زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ لیکن وہ کیا ہے جسے آپ بے سود ہر شام کو یاد کرتے ہیں۔''

خالد عزوز سمارا سے مخاطب ہوا، ''آپ کے مضامین آپ کی ادبی صلاحیت کی عکاسی کرتے ہیں۔''

''ایسی صلاحیت جسے کبھی بھی پرکھا نہیں گیا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کوئی بڑا عزم رکھتی ہیں۔''

''مجھے سب سے بڑھ کر تھیٹر کا جنون ہے۔''

''سینما کے بارے میں کیا خیال ہے،'' رجب نے پوچھا۔

''میرے ارادے اتنے بلند و بالا نہیں''، سمارا نے جواب دیا۔

''لیکن تھیٹر تو محض گفتگو کا نام ہے''، اس نے حاضر جوابی سے کام لیا۔

مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا، ''جس طرح ہماری یہ محفل ہے۔''

سمارا نے اب سنجیدگی سے جواب دیا، ''نہیں بات اس کے برعکس ہے: تھیٹر بڑی مرکزی حیثیت کی حامل اور توجہ مرکوز کرنے والی شے ہے، ہر لفظ کا کوئی نہ کوئی مفہوم نکالنا پڑتا ہے''۔

''اور یہی ایک تھیٹر اور ہمارے گروپ میں بنیادی فرق ہے''، مصطفیٰ نے تجویز پیش

کی۔اچانک اس کی نظر انیس پر پڑی، جو حقے کو لوگوں کے دائرے میں پیش کر رہا تھا، کہ جیسے اس نے انیس کو پہلی بار دریافت کیا ہو، ''آپ گفتگو میں حصہ کیوں نہیں لیتے۔'' اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

......وہ تمہیں ترغیب دے رہی ہے تاکہ وہ تمہیں کہہ سکتے: میں کوئی بازاری عورت نہیں۔وہ مجھے کسی کی یاد دلاتی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا کون۔شاید قلوپطرہ، یا وہ خاتون جو اس گلی میں تمبا کو بیچتی ہے۔یہ بھی ایک بچھو ہے۔کیا اسے ادراک نہیں کہ میں ایک شہوانی نشے میں دھت ہوں......

مصطفیٰ نے اس سے معذرت کی ''جو کام ہیں وہ بولتے نہیں۔''

''یہ تمام کام خود کیوں کرتا ہے۔''

''یہ اس کا بہترین مشغلہ ہے''، مصطفیٰ نے جواب دیا۔''اور وہ کسی کو ہاتھ بٹانے بھی نہیں دیتا۔''

''یہ ان تمام تر مسرت و نشاط کی محافل کا روح رواں ہے۔رجب نے مزید کہا'' کبھی کبھار ہم اسے خوشیوں کا منبع بھی کہتے ہیں۔ ہمارے یہ ہاتھ اس کے سامنے ناتجربہ کار اور شوقیہ نظر آتے ہیں، کیونکہ یہ چیزوں کو ایک طویل سرور کے لئے ترتیب دیتا ہے، جس کے بعد جاگنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

''لیکن کم از کم صبح تو اسے صاف ذہن کے ساتھ اٹھنا چاہیے!'' سمارا نے احتجاجاً کہا۔

''محض چند منٹوں کے لئے جس کے دوران وہ اپنے 'جادوئی' کپ کو ڈکارتا ہے! پھر......''

سمارا خود انیس سے مخاطب ہوئی، ''آپ خود بتائیں، ان لمحوں میں آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟''

انیس نے بولتے ہوئے نظریں اس سے نہیں ملائیں، ''میں خود سے پوچھتا ہوں کہ میں کیوں زندہ ہوں۔''

''زبردست! اور پھر آپ اس سوال کا جواب کیا دیتے ہیں؟''

وہ بولا، ''عموماً میں اس مہلت سے پہلے ہی دوبارہ بلند پرواز کر جاتا ہوں۔'' وہ تمام لوگ بہت دیر تک ہنستے رہے اور انیس خود بھی ان کے ساتھ ہنستا رہا، اس کی نگاہیں دھوئیں کے بادلوں میں سے کسی خاتون سے ٹکراتی رہیں۔ ان کی نگاہوں میں اس مہمان کے لئے کوئی محبت نہیں تھی۔ ان کے درمیان ایک شیر کی موجودگی تھی، ایک ایسا شیر جو اپنے شکار کو چیر پھاڑ کر ہڈیاں دوسروں کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ اس نئے مہمان کی ہڈیاں ایک عجیب وغریب گودے سے بھری ہوئی تھیں۔

لیکن جب تک پروانہ دودھ دینے والا جانور ہے ہمیں کسی قسم کا خوف نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ سیارے سورج کے گرد گردش کے لئے نہ ہوتے تو ہم سب سے پہلے حیاتِ جاوداں کو سمجھ لیتے۔

رجب نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور بڑی سنجیدگی سے کہا، ''اب اس شور وشین کو بند کرنے کا وقت ہے۔ آج کی رات ہماری زندگیوں میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ کسی سنجیدہ طبع شخصیت نے ہمیں یہاں آنے کا اعزاز بخشا ہے۔ ایک ایسی شخصیت نے جو ہماری عادات کی حامل نہیں۔ کون جانتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں ان سوالات کے جوابات بھی مِل جائیں گے جو آج تک ہمیں سمجھ نہیں آسکے......''

سمارا نے اس کی طرف غور سے دیکھا، ''رجب!، کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''اوہ! میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ آپ ہماری اس محفل کی شریک بن جائیں گی......''

''میں بھی یہی امید رکھتی ہوں اور اگر وقت ملا تو میں خود ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی......''

لوگوں کے رخصت ہوتے وقت ماحول میں بیزاری کی سی کیفیت تھی۔ ایک ملامت، جس نے ہر چیز کو ختم کر دیا تھا، کی سی فضاء چھائی ہوئی تھی۔ کیا یہی سوچ تھی، جو اتنا عرصہ میرے

ذہن سے اوجھل رہی۔ حقے کی چلم میں صرف راکھ باقی تھی۔ایک ایک کر کے تمام افراد چلے گئے، اور وہ اکیلا رہ گیا۔ایک اور رات گزر گئی۔ بالکونی سے خاصی دور رات کا اس نے مشاہدہ کیا......اور یہاں عم عبدہ تھا جو کمرے کو درست کر رہا تھا۔

''کیا تم نے نئی آنے والی کو دیکھا؟'' انیس نے پوچھا۔

''جتنا میری بوڑھی آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔''

''اور وہ کہتی ہیں کہ یہ کوئی سراغ رساں ہے!''

''آہ!''

جونہی وہ بوڑھا شخص باہر جانے لگا انیس نے اسے کہا، ''تم باہر جاؤ اور میرے لئے ایک لڑکی لے کر آؤ، رات کے اس پہر میں ایک لڑکی۔''

''رات بہت گزر چکی ہے اور سڑک پر اب کوئی لڑکی نہیں ہوگی۔''

''جاؤ، گوشت کے پہاڑ!''

''میں نے ابھی فجر کی نماز کے لئے وضو کیا ہے!''

''تم نے اب تک جتنی زندگی گزار دی، کیا اس سے زیادہ زندہ رہنا چاہتے ہو، بولو کیا تم نہیں چاہتے؟ جاؤ!'' ایش ٹرے سے اس نے سگریٹ کا وہ ٹکڑا اٹھایا جسے سمارا پی کر گئی تھی۔

محض ایک مالٹئی رنگ کا فلٹر باقی رہ گیا تھا جس کے ساتھ تھوڑا سا سفید سرا باقی تھا جو ذرا دبا ہوا تھا۔ وہ اس ٹکڑے کو کافی دیر غور سے دیکھتا رہا پھر اسے واپس رکھ دیا۔ ان مردہ پروانوں کے درمیان، جو ایک چھوٹے ڈھیر کی سی صورت سامنے پڑے تھے۔ دریا سے ایک نم، مشک بھری نسوانی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے ستاروں کے گننے سے خود کو محظوظ کرنے کا سوچا مگر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اگر کوئی مسلسل ہمارے سیارے کی نگرانی نہ کر رہا ہو اور ہماری عادات کا مشاہدہ نہ کر رہا ہو تو ہم گم جائیں۔ تاہم میں حیران ہوتا ہوں کہ ہماری مسکراہٹوں بھری شاموں کا مشاہدہ کرنے والا کیا اس بات کی وضاحت کر سکتا ہے کہ ہماری محافل میں کیا کچھ ہوتا ہے؟

شاید وہ یہ کہہ اٹھے: کچھ محدود محفلیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن سے ایسی گرد نکلتی ہے جو اس سیارے کی فضاء کو کہر آلود کر دیتی ہے اور ان محافل سے ایسی عجیب و غریب آوازیں بھی آتی ہیں جو ہماری سمجھ میں اس وقت تک نہیں آ سکتیں جب تک ہم ان کی نغمہ نگاری کے نظریے کو نہ سمجھ لیں۔ یہ محافل وقت کے ساتھ ساتھ بڑی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ انہیں کسی داخلی یا خارجی محرک کی وجہ سے بڑا ہو جانا چاہیے۔ لہٰذا یہ بات خارج از امکان نہیں ہے کہ اس سرد سیارے پر زندگی کا ایک ابتدائی طرزِ رہائش، جو کسی کے اس نظریے کے برعکس ہو جس کا کہنا یہ ہے کہ شعلہ فشاں فضاء کے علاوہ زندگی کا وجود ممکن نہیں۔ یہ بات خلافِ معمول ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی محافل کس طرح غائب ہو جاتی ہیں، تا کہ یہ بغیر کسی واضح مقصد کے، دوبارہ آباد ہو سکیں، ایک حقیقت جو یہاں زندگی کے منافی ایک وزنی دلیل پیش کرتی ہے وہ یہ ہے کہ زندگی مناسب ڈگر پر ہے۔

اس نے اپنے لمبے چوغے کو پنڈلیوں تک کھینچا اور اتنا زوردار قہقہہ لگایا کہ ہر سننے والا اس کی طرف غور کرے۔ ہاں ہمارے پاس زندگی موجود ہے، ہم اس کو سمجھنے کی دھن میں اتنے مجذوب ہو گئے کہ ہم پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ اس کا کوئی مقصد نہیں، اور تم بھی اس میں ڈوب جاؤ گے اور اب بھی، کوئی اس قابل نہیں کہ پیشین گوئی کر سکے کہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ آپ اتنے حیران و پریشاں نہیں ہوں گے جتنا جولیس سیزر ہوا تھا جب ایک تہہ شدہ قالین میں سے ایک لازوال حسن اس کے سامنے آ کھڑا ہوا......

سیزر نے سراسیمہ ہو کر پوچھا "یہ لڑکی کون ہے؟"

اور اپنے حسن پر نازاں اس لڑکی نے جواب دیا: "مصر کی ملکہ، قلوپطرہ"۔

(۷)

انیس بالکونی کے جنگلے سے جھکا اور اس نے سورج غروب ہونے کے پرسکون منظر کو دیکھا۔ چوغے کے کالر سے چھوتی ہوئی ہوا، اس کے جسم کو سکون دیتی ہوئی گزری ساتھ ہی وہ ہوا اپنے ساتھ پانی اور سبزے کی خوشبو بھی لائی۔ کشتی گھر کی قریبی چھوٹی مسجد میں عمِ عبدہ کی امامت کراتے ہوئے آواز ...... سیاہ کافی کا تلخ مزا اب بھی اس کے منہ میں تھا اور اس کا ذہن جزوی طور پر خلیفہ ابنِ طولون کے خیالات میں گرفتار تھا، اسی خلیفہ کے قدیم عہد میں وہ قیلولے سے پہلے گھوم رہا تھا۔ وہ اپنے اس مختصر سے وقفے سے پریشان ہوا جو اسے کافی کی چسکی لینے اور اپنے شام کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے دستیاب ہوا۔ ایسی صورتِ حال میں کوئی پراسرار اور بے بنیاد سی شے اسے رنجیدہ کر دیتی ہے۔ لیکن راہداری میں ہلکی سی جنبش سے کشتی گھر ہلنا شروع ہوا، وہ حیران تھا کہ وقت سے پہلے کون آ سکتا ہے۔ بالکونی سے جونہی وہ بڑے کمرے میں داخل ہوا، سکرین کے پیچھے سے سمارا بہجت آ گئی۔

وہ مسکراتی ہوئی اس کے پاس آ گئی۔ انیس نے حیرت سے اس کا استقبال کیا۔ انہوں نے ہاتھ ملائے۔ سمارا نے جلدی آ جانے پر انیس سے معذرت کی لیکن اس نے دلی مسرت سے اسے خوش آمدید کہا۔ وہ بڑے اشتیاق کے ساتھ بالکونی کی طرف گئی جیسے وہ دریائے نیل کا نظارہ پہلی مرتبہ کرنے والی ہو، پھر اس نے اپنے پرلطف چہرے کے ساتھ اس سوئی سوئی شام کا نظارہ کیا۔ خاصی دیر تک وہ ببول کے شگوفوں، ان کے سرخ اور ہلکے بنفشی رنگ کو دیکھتی رہی۔ وہ انیس کی طرف مڑی، انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، وہ متجسس اور شکیہ نظروں سے انیس کی طرف دیکھتی رہی۔ انیس نے اسے بیٹھ جانے کو کہا، لیکن وہ بک شیلف کی طرف گئی اور بڑی دلچسپی سے کتابوں کو دیکھنے لگی۔ اس کے بعد وہ نیم دائرے کے بیچ اپنی معمول کی جگہ کے قریب بیٹھ گئی۔ انیس بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ ایک ہفتے کی غیر حاضری کے بعد آئی تھی اور تمام افراد سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئی تھی، انیس نے اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس نے سمارا کے

سفید بلاؤس اور سلیٹی سکرٹ کا موازنہ اپنے لمبے سفید چوغے سے کیا۔ شاید یہ اس کے خیالات اور رجحانات کی وجہ تھی کہ دیگر تمام خواتین سے مختلف اس کے بلاؤس کا گلا بڑا نہیں تھا۔ یا پھر اس لئے کہ وہ ایک سنجیدہ خاتون تھی۔

اچانک اس نے انیس سے پوچھا: ''کبھی تمہاری شادی ہوئی تھی اور میرے خیال میں تمہارا کوئی بچہ بھی ہے، ایسا ہے ناں؟''

پیشتر اس کے کہ وہ جواب دیتا، سمارا نے اپنی مداخلت پر معذرت کی اور کہا کہ شاید علی السید نے اپنے دوستوں کا تعارف کرواتے ہوئے اسے یہ سب کچھ بتایا تھا۔ انیس نے سر ہلا کر اس کی تائید کی، لیکن جب اس نے سمارا کی بادامی آنکھوں میں تشنگی دیکھی تو اس نے کہا: ''ہاں! جب میں دیہی علاقے سے آنے والا ایک طالب علم تھا اور قاہرہ میں اکیلا رہتا تھا۔ وہ ماں اور بیٹی ایک ہی بیماری سے انتقال کر گئیں۔ پھر اس نے نہایت ہی سادگی سے کہا: ''یہ تو بیس سال پرانا واقعہ ہے۔''

اسے مکھی اور مکڑی کی کہانی یاد آ گئی۔ اسے خیال آیا اور اس پر وہ جھنجھلایا کہ ابھی اس نے اپنے ''سفر'' کا آغاز نہیں کیا۔ اسے خدشہ تھا کہ سمارا اس پر ترس کھائے گی اور اپنی ہمدردی کا اظہار کرے گی مگر سمارا نے اپنے احساسات کا اظہار طویل خاموشی سے کیا۔ پھر وہ کتابوں کے شیلف کی طرف چلی گئی۔ ''تمہارے دوستوں نے مجھے بتایا کہ تم تاریخ اور ثقافت میں بہت دلچسپی رکھتے تھے، لیکن جہاں تک میں سمجھ پائی ہوں تم ان موضوعات میں دلچسپی نہیں رکھتے۔''

انیس نے خیال رد کرنے کے سے انداز میں اپنی گھنی بھنویں اوپر کیں، جو اس کے کشادہ چہرے پر بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ سمارا نے مسکراتے ہوئے کہا: ''تم نے مطالعہ کیوں ترک کر دیا؟''

''مجھے اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی''، انیس نے جواب دیا، ''پھر میرے پاس پیسے ختم ہو گئے اور مجھے وزارت صحت میں اپنے ایک استاد ڈاکٹر کی سفارش سے نوکری مل گئی۔''

''شاید یہ کام آپ کی شخصیت سے مطابقت نہیں رکھتا۔''

''میں شکایت نہیں کر سکتا۔''

اس نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر بوتل میں سے کوئی چیز چلم کے کوئلے پر ڈالی۔ ماچس کی دیا سلائی اس میں ڈال کر اس چلم کو بالکونی کے راستے میں رکھ دیا۔ سمارا نے اس سے پھر سوال کیا۔

''کیا تمہیں تنہائی محسوس نہیں ہوتی یا......؟''

اپنے ایک قہقہے سے اس نے سمارا کی گفتگو میں مداخلت کی، ''میرے پاس اس کام کے لئے وقت نہیں۔''

جواباً وہ بھی مسکرائی اور کہا، ''بہر صورت میں اس بات سے خوش ہوں کہ میں نے تمہیں درست حالت میں پالیا۔''

''بالکل نہیں''، وہ بولا، اس نے سمارا کو اس تازہ چلتی ہوئی چلم کو دیکھتے ہوئے محسوس کر لیا تھا، لہٰذا اس نے مسکراتے ہوئے کافی کے کپ کے پیندے میں موجود ''باقیات'' کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے گواہی قبول کرتے ہوئے دریائے نیل کے کناروں پر موجود زندگی کی تعریف شروع کی۔ انیس نے اقرار کیا کہ یہ مناظر اس کے لئے بھی نئے ہیں۔ ''ہم بہت سی عمارات میں اکٹھے ہوئے مگر لمبی ناک والے (۱) ان ہمسایوں نے ہمیں کبھی چین سے رہنے نہیں دیا۔ انیس پھر مسکرایا مگر اس مرتبہ انتہائی جوش کے ساتھ۔ سمارا نے اس کی طرف بڑی تجسس بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ دوبارہ مسکرایا اور اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔ ''سفر کا آغاز ہو چکا ہے''، انیس بولا: ''تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔''

''اور رابطہ کہاں ہے''

''ایک چیز کا دوسری چیز سے کوئی رابطہ نہیں''، اس نے یہ بات ایسے کہی جیسے یہ کوئی بدیہی ہو۔ ''حتیٰ کہ یہ گولی کے چلنے اور انسان کے مرنے میں بھی نہیں؟''

''نہیں۔ کیونکہ گولی ایک عقلمندانہ ایجاد ہے، لیکن موت......''

---

(۱)۔ نشے کی بو سے تنگ آنے والے

وہ مسکرائی، ''کیا تمہیں معلوم ہے؟'' اس نے کہا، ''میں وقت سے پہلے اس لئے آئی تھی کہ میں تمہارے ساتھ تنہائی میں رہ سکوں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ تم وہ واحد شخص ہو جو بہت کم کلام کرتے ہو۔''

اس کے بھنویں اُٹھا کر دیکھنے سے ایسا محسوس ہوا کہ اسے یہ بات قبول نہیں، لیکن سمارا اپنے مؤقف سے نہیں ہٹی۔ ''تم ہر وقت خود کلامی کرتے ہو!''

ایک خاموشی نے انہیں جدا کر دیا۔ وہ بڑھتے ہوئے دھند لکے کو دیکھنے کے لئے بیٹھ گیا اور اس سے متعلق سوچوں سے محروم ہو گیا تھا، لیکن وہ غمگین نہیں تھا۔ انہیں باہر سے کھانسنے کی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ ''عم عبدہ!'' اس نے کہا، سمارا اس سے متعلق بڑی دلچسپی سے بولی اور اس نے انیس سے بے شمار سوالات کر ڈالے۔ انیس نے ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہی دیا کہ وہ شخص کبھی بیمار نہیں ہوتا، موسم اس پر اثر انداز نہیں ہوتا، اسے نہیں معلوم کہ اس کی عمر کتنی ہے، گویا وہ اس کی موت سے متعلق بھی نہ سوچ سکتا ہو۔

سمارا نے پوچھا ''کیا تم میری دعوت قبول کرو گے اگر میں تمہیں سیمی رامس (Semeramis) ہوٹل آنے کا کہوں؟''

''میرا خیال ہے نہیں''، اس نے بڑی الجھن سے جواب دیا، ''میرے لئے یہ ناممکن ہے''، پھر اس نے یقین دلایا کہ وہ اپنے دفتر جانے کے علاوہ اس کشتی گھر کو نہیں چھوڑتا۔

''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے''، سمارا بولی۔

''انیس نے احتجاجاً کہا ''بات اس کے برعکس ہے تم ایک بہت پیاری لڑکی ہو!''

رات شروع ہو چکی تھی۔ کشتی گھر قدموں کی آہٹ سے ہلا اور راہداری میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ کشتی گھر میں آہٹ سے سمارا بے چین سی ہوئی۔ ''ہم پانی پر رہتے ہیں''، انیس بولا، ''جب بھی لوگ آتے ہیں تو کشتی گھر اسی طرح ہلتا ہے۔''

سکرین کے پیچھے سے تمام دوست ایک ایک کر کے کمرے میں داخل ہوئے۔

وہ سمارا کو دیکھ کر حیران ہو گئے، لیکن اسے خوش آمدید بھی کہا۔ ثانیہ کامل نے سمارا کی قبل از وقت آمد پر خاص تاثر کا اظہار کیا اور اسی تاثر سے انیس کو مبارکباد دی۔ کچھ ہی دیر بعد معمول کے مطابق اس کے ہاتھ مصروف ہو گئے اور پائپ گھومنے لگا۔

رجب نے سمارا کے لئے کچھ وہسکی نکالی۔ انیس نے دیکھا کہ ثناء نے اپنی زلفوں کے پیچوں میں سے سمارا کی طرف ایک چوری چھپی نظر ڈالی۔ اس پر وہ مسکرادیا۔ کوئلوں کے بھڑکنے سے انیس پر خوشی کے تاثرات آ گئے۔ اس نے حقے کا پائپ سمارا کو پیش کیا، لیکن اس نے انکار کر دیا اور انیس کی تمام کاوشیں اکارت گئیں۔ حقے کی گڑگڑاہٹ کے علاوہ تمام چیزیں خاموش تھیں۔ پھر وہ ایک اور موضوع کو زیر بحث لے آئے۔ امریکی جہازوں نے شمالی ویت نام پر حملہ کیا۔ جس طرح کیوبا کا مسئلہ تھا، اس سے متعلق افواہوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ دنیا اس وقت تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی۔

گوشت کی قیمت، محکمہ خوراک کے مسائل اور کسانوں، مزدوروں سے متعلق کیا خیال ہے؟ کرپشن، کرنسی، سوشلزم، جس طرح سڑکیں کاروں سے بھری ہوئی ہیں۔ انیس خود سے مخاطب ہوا: یہ تمام کی تمام چیزیں حقے کے پانی میں ہیں تا کہ یہ دھوئیں کے ساتھ اُڑ جائیں۔ بالکل اس سبزی کی ڈش ''مَلّوخیا'' کی طرح جو دوپہر کے کھانے کے لئے عم عبدہ نے تیار کی تھی۔ اس پرانی کہاوت کی طرح ''اگر میں نہ ہوتا تو ہونے کی خواہش ظاہر کرتا'' اور جب اسی طرح کے انگارے جنت میں بھڑک اٹھتے ہیں تو ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ کوئی دمدار ستارہ دھماکے سے پھٹ گیا ہے اور اس کے نتیجے میں اردگرد کے سیارے اور ہر چیز مٹی بن گئی۔ ایک دن اسی طرح کی مٹی زمین کی سطح پر گری اور اس سے زندگی کا آغاز ہوا...... اس تمام صورتِ حال کے بعد انہوں نے مجھے کہا: ''میں تمہاری دو دن کی تنخواہ کاٹوں گا'' یا انہوں نے بتایا: ''میں کوئی بازاری عورت نہیں!''۔ ہمارے ایک شاعر المعاری نے اسے ایک مصرعے میں سمیٹا...... مصرعہ مجھے یاد نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ مصرعہ مجھے یاد ہے یا نہیں۔ المعاری نابینا تھا اور اس نے سمارا کو بھی نہیں دیکھا تھا جب وہ اس کے عہد میں رہتی تھی۔

''میرا شوہر مصالحت کی کوشش کر رہا ہے۔''

''اللہ کی پناہ۔''

نابینا تھا اور دیکھ نہیں سکتا تھا۔ دھاگہ ٹوٹا اور کوئی شاندار سی شے بکھر گئی۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم محفوظ ہیں...... کیا ہم محفوظ ہیں؟ کل ہمارا تھکا دینے والا دن ہے، کل سالانہ اکاؤنٹس کا دن ہے۔ آرکائیوز ڈیپارٹمنٹ کے قید خانے میں، کیڑوں کے عجائب خانے میں۔ پروانے یقیناً دودھ دینے والے......

''لیکن تم سنہری بالوں والی خوبصورت لڑکی ہو''، سارہ لیلیٰ سے مخاطب تھی، ''حقیقتاً تم ایک خوبصورت لڑکی ہو۔''

خالد عزوز بولا، ''یہ بات عیاں ہے کہ اس سے مراد لیلیٰ ہے، اس کا حقیقی مسئلہ، اس نے گفتگو کا آغاز کیا، ''پورے ملک کا مسئلہ ہے، وہ یہ ہے کہ وہ ایک ماڈرن لڑکی ہے، لیکن اس کا شوہر بورژوا طبقے سے تعلق رکھتا ہے!''

انیس نے رات کا نظارہ کیا۔ اس نے دریا کے دوسرے کنارے پر نصب لیمپوں کی طرف دیکھا جو روشنی کے ستونوں کی طرح دریا کی گہرائی میں جاتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ اور ہوا کے رخ پر چلتے، کسی ان دیکھے کشتی گھر سے موسیقی کی بھی آواز آ رہی تھی۔ شاید یہ کسی شادی کی تقریب تھی جس طرح محمد نے تمہاری شادی کی رات گانا گایا تھا، ''دیکھو کیسی شاندار بات ہے، مجھے ایک کسان لڑکی ہی پسند آئی اور میرے چچا نے کہا تھا، ''خدا تمہیں محفوظ رکھے اور تمہارا گھر خوبصورت بچوں سے بھر جائے، لیکن ہوشیار رہنا، صرف دو ایکڑ ہی باقی رہ گئے ہیں......''

گاؤں کتنا خوبصورت تھا، باغات سے مالٹوں کی خوشبو آتی تھی، کہ جیسے کسی خوبصورت عورت کے کانوں کے پیچھے سے آتی ہوئی مشک کی خوشبو......

کوئی کہہ رہا تھا ''کیسی شاندار تجویز ہے!''

''لیکن یہ بھی شاندار نظریہ ہے!'' سمارا نے بڑی دلچسپی سے جواب دیا۔

''اور اس طرح ہم ایک دوسرے کو سمجھ جائیں گے، بناوٹ کے لئے کوئی گنجائش نہیں!''

''لیکن تمہاری اس سے کیا مراد ہے؟''

''اس سے میری مراد تمہاری زندگی کا بنیادی مقصد ہے!''

''آوازیں میرے لئے زخم سلائی کا کام کرتی ہیں!''

سمارا نے احتجاجاً کہا ''اگر تمہیں میرے متعلق کوئی غلط فہمی ہے تو مجھے فوراً یہاں سے چلے جانا چاہیے!''

احمد نے کہا ''ہمیں اپنے بنیادی مقصد سے آگاہ کرو۔''

ایسا لگا کہ وہ اس سوال سے پریشان نہیں ہوئی اور اس نے بڑے سادہ اور بے باک انداز میں کہا: ''فی الحال میرا مقصد ہے کہ میں کوئی ڈرامہ لکھ کر دیکھوں۔''

''ڈرامے بغیر کسی وجہ کے نہیں لکھے جاتے!'' مصطفیٰ نے بڑے بغض پرور انداز میں کہا۔ سمارا نے اپنی سگریٹ کا بڑا پرسکون کش لیا، اپنی آنکھوں کو خیالات میں محو ہوتے ہوئے سکیڑ لیا۔ علی کی مسکراہٹ اس کے لئے ہمدردی کا سادعا دے رہی تھی اور علی نے اس کی حوصلہ افزائی کے لئے کہا: ''یہاں کا ماحول سوائے بدخوئی اور معمولی چیزوں کے کسی کے لئے موزوں نہیں۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا کردار عظیم ہے، اگرچہ......اور تمہیں ثابت قدم رہنا چاہیے!''۔ سمارا نے اپنی نگاہیں نیچی کیں جیسے وہ چلم کے کوئلوں پر غور کر رہی ہو۔ ''یہی چلے گا''، اس نے کہا، ''دراصل مجھے سنجیدہ ہی رہنا پسند ہے۔''

سوالات کی ایک بوچھاڑ تھی۔ سنجیدہ؟ ہر شے سے متعلق سنجیدہ؟ کیا ہم حماقت کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچ سکتے؟ اور سنجیدگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ لیکن وہ مقصد کیا ہے؟ بالآخر رجب چلایا ''تمہارے سامنے جادوگرنی کھڑی ہے جو اپنے قلم کی ایک جنبش سے لغویات کو بھی ایک سیاسی تھیٹر میں تبدیل کر سکتی ہے!'' وہ سمارا کی طرف متوجہ ہوا ''کیا تم واقعی اس پر یقین رکھتی ہو؟''

''میرا خیال ایسا ہی ہے۔''

''کھل کر بات کرو۔ مجھے بتاؤ تم کیسے اس پر یقین رکھتی ہو۔ ہم یقین کے اس معجزے کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہیں گے!''

وہ گزشتہ زمانے سے متعلق ان اعلیٰ وارفع اقدار کو زیرِ بحث لائے جو زندگی کا مقصد و مفہوم شمار کی جاتی تھیں۔ وہ اس بات پر بھی متفق ہو گئے کہ اب یہ قصہ پرانا ہو چکا ہے۔ اب اس کی جگہ کس نئی چیز کی بنیاد ممکن ہے؟ سمارا نے مختصراً یہ کہا ''زندہ رہنے کا عزم!'' انہوں نے اس سے متعلق بھی تبادلۂ خیال کیا۔ زندہ رہنے کا عزم کوئی ٹھوس اور پختہ قسم کی شے ہے، لیکن یہ ہمیں حماقت کی طرف لے جا سکتا ہے۔ لیکن اسے روکنے کے لئے کیا چیز موجود تھی؟ کیا تنہا رہنے کا عزم ہی ہیروز پیدا کرنے کے لئے کافی تھا؟ کیونکہ ہیرو وہ شخص ہوا کرتا تھا جو دوسروں کی خدمت کے لئے اپنی رضا قربان کر دیتا تھا، وہ خدمت جو اس کی نظر میں زندگی سے بھی اعلیٰ وارفع تھی، تو پھر اس نظریے کے مطابق وہ شان و شوکت کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے؟ سمارا دوبارہ بول اُٹھی ''میرا مطلب ہے کہ اپنی جستجو میں ہمیں اس طرف مڑ جانا چاہیے کہ رضا خود زندگی کی طرف لے آئے۔ کسی ایسی بنیاد پر نہیں کہ جس پر یقین کرنا ممکن نہ ہو۔ زندہ رہنے کا عزم ہی ہمیں حقیقی زندگی میں ڈٹنے پر مجبور کرتا ہے، خاص طور پر ان لمحوں میں کہ اگر لوگ محض ذہن سے کام لیتے ہیں تو وہ خودکشی کر لیتے ہیں۔ یہی وہ اصل بنیاد ہے جس کی ہمیں ضمانت دی جائے گی تا کہ ہم اس کے ذریعے خود سے بلند ہو سکیں......''

مصطفیٰ بولا، ''تم نے مارکس کو نیچے کی طرف موڑ دیا''، اس نے کہا، ''نہیں، اوپر سے نیچے نہیں بلکہ نیچے سے اوپر!''

''اس میں کوئی فلسفہ نہیں''، سمارا نے احتجاجاً کہا، ''لیکن یہ میرا بنیادی مقصد تھا، اب تمہاری باری ہے۔''

''تم سب پر خدا کی مار! حقے کی لطافتوں کا اتنا بڑا دشمن کوئی نہیں جتنا کہ انسانی سوچ۔ بیس حقے، جن کا کوئی مقصد نہیں، یا نہ ہونے کے برابر۔ کھجور کا درخت بھی ان سب سے بہتر یقین کرنے والا نظر آتا ہے۔ پروانوں کی ثابت قدمی بھی قابلِ تعریف ہے۔ لیکن اگر عمر خیام

کی فریاد اپنی گرم جوشی کھو بیٹھی ہے تو وہ سہل پسندی چھوڑ دیں گے۔ یہ تمام نقال اور مسخرے محض ایٹمی تشکیل ہیں اور ان میں سے ہر شخص بہت سے ایٹموں کی صورت میں ٹوٹ گیا ہے، وہ اپنا رنگ روپ کھو دیتا ہے......اور یکسر مختلف ہو کر......حتیٰ کہ ان میں سے کچھ بھی ایسا نہیں بچتا کہ جسے محض آنکھ سے دیکھا جا سکے...... یہاں تک کہ آوازوں کے سوا ان میں سے کچھ نہیں بچتا۔"

پھر رجب کی آواز آئی: "میرا اصل مقصد فن ہے۔"

مصطفیٰ رشید کی آواز: "دراصل اس کا بنیادی مقصد محبت ہے، یا یوں کہا جائے خاتون سے۔" سمارا کی شک و شبہے سے بھری ہوئی آواز: "کیا یہ ہی تمہارا اصل مقصد ہے؟"

"نہ اس سے زیادہ نہ کم۔"

اس کی آواز نے علی کو یاد دلایا، "میرا بنیادی مقصد فنکارانہ تنقید ہے!"

مصطفیٰ کی مزاحیہ آواز: "نامعقول!، اس کا اصل مقصد خواب دیکھنا ہے۔ خواب یعنی خواب کی جزیات سے بالاتر ہو کر، تنقید سے متعلق؟ وہ محض دوستوں کی چاپلوسی یا دشمنوں کی تباہی پر ہی تنقید کرتا ہے۔ اور اس میں سے ایک خاطر خواہ رقم نچوڑنا!، لیکن پھر وہ خواب کی تعبیر کس طرح چاہ سکتے ہیں؟"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا، لیکن جب حقے کا پائپ اپنی "سخاوت" کے عروج پر ہوتا ہے تو وہ اپنی خوفناک قسم کی ناک کھجاتا ہے اور کہتا ہے: غور کرو، اے میرے بچو!، اس سفر پر جو انسان نے غاروں سے بیرونی خلاء تک کیا، احمقو!، تم عنقریب ستاروں میں دیوتاؤں کی طرح کھیلو گے۔" پوچھ گچھ کا سلسلہ احمد کی طرف مڑ جاتا ہے۔ اس کی آواز میں ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ "میرا پہلا مقصد......اپنی شہرت کو برقرار رکھنا ہے۔"

مصطفیٰ کی آواز دوبارہ خلل انداز ہوئی: "یہ شخص ایک یکسر مختلف صورت حال میں ہے۔ ابتداء میں یہ ایک مسلمان ہے: نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، ایک مثالی شوہر ہے جو خواتین سے بے اعتنائی برتتا ہے۔ شاید اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کی بیٹی کی شادی ہو جائے!"

خالد کی آواز: ''ہم میں سے واحد یہی ہے جو موت کے بعد زندہ رہے گا۔''

انیس اس تنہائی سے اُکتا گیا اور اس نے عم عبدہ کو بلایا کہ وہ حقّے کا پانی تبدیل کر دے۔ اس صدائے صحرا میں وہ ہی واحد شخص محسوس ہوتا تھا۔ ایک آواز آئی کہ اس کا مقصد یاد کرنا ہے: اور دوسرے کا مقصد بھول جانا۔ اور انیس خود پریشان تھا کہ تاتاری خانہ بدوش قبائل بارڈر پر کیوں رک گئے......

''میرے کوئی اغراض و مقاصد نہیں ہیں''، لیلیٰ کی آواز گونجی۔

اس کے جواب میں خالد بولا، ''بلکہ میں ہی اس کا پہلا مقصد ہوں!''

ثانیہ کی آواز آئی: ''میرا مقصد یہ ہے کہ میرا شوہر مجھے طلاق دے۔ اور علی اپنی دونوں بیویوں کو......''

سمارا کی آواز میں ثناء نے آواز نکالنے کی کوشش کی مگر ایک لفظ بھی نہ کہا۔ رجب کی آواز آئی، ''مجھے اپنا بنیادی مقصد بتاؤ!''

اور ثناء کی آواز: ''نہیں''، مگر ایک بوسے کی دھیمی سی آواز آئی، مبہم اور غیر واضح۔

جہاں تک خالد کی آواز کا تعلق ہے، ''میرا پہلا مقصد......طوائف الملوکی!''۔

قہقہہ بلند ہوا، پھر خاموشی چھا گئی کہ جیسے آرام کے لئے کوئی وقفہ ہو، اور پھر ایک خلاء کا غلبہ۔ عم عبدہ پہنچا اور کہا، ''سویا کمپنی بلڈنگ کی آٹھویں منزل سے ابھی ایک خاتون گری ہے۔''

انیس نے بڑی بے تابی سے پوچھا، ''تمہیں کیسے معلوم؟''

''جب میں نے چیخ و پکار سنی تو میں دوڑا، وہ بڑا دلخراش منظر تھا''۔

علی کی آواز آئی: ''ہماری خوش قسمتی کہ ہم اس سڑک سے دور ہیں اور ہم کچھ سُن بھی نہیں سکتے۔ اس خاتون نے خودکشی کی یا قتل کر دی گئی؟''

''واللہ العالم''، اس بوڑھے شخص نے جواب دیا۔ وہ پھر اس سڑک کی طرف بھاگا۔

علی نے تجویز دی کہ باہر جا کر دیکھا جائے مگر اس محفل نے یہ بات مسترد کر دی۔ اس خبر کے صدمے نے ایٹموں کو ان کی اصلی ترتیب میں واپس بھیج دیا، وہ دوبارہ عام انسان تھے۔

انیس کے لئے یہ بات باعثِ تسکین تھی کہ وہ اپنی تھکا دینے والی تنہائی سے باہر آ گیا تھا۔ فاتر العقل لوگوں کی محفل بھی تنہائی سے بہتر ہے۔اب مصطفیٰ کے بولنے کی باری تھی مگر علی اس سے اپنا بدلہ اتارنا چاہتا تھا۔

"یہ ایک قانون دان ہے"، علی نے گفتگو کا آغاز کیا، "جس نے سیاسی حلقوں کی ترتیب نو پر اپنے بہت سے موکل کھودیئے اور اب عام لوگوں کے جرائم پر اس کا گزارہ ہے، اپنی فیس کا ایڈوانس وصول کرنے کے بعد اس کا پہلا مقصد اس "انتہا" کا حصول ہے۔فیس کا باقی حصہ وصول کرنے کے لئے وہ بے رحمانہ سلوک اختیار کرتا ہے!"

سمارا نے کہا، "لہٰذا تم اس کام میں مخلص ہو!"

"خدا کی پناہ!"

"لیکن وہ انتہاء ہے کیا؟"

علی نے اس کا جواب دیا، "کبھی یہ آسمان کی باتیں کرتا ہے اور کبھی اپنے ہی خول میں واپس چلا جاتا ہے۔ اور کبھی اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اس کے قریب ہے، لیکن اسے بیان کرنے کے لئے کوئی الفاظ نہیں۔ خالد نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ کسی ایسے ڈاکٹر کے پاس جائے جو غدود کا سپیشلسٹ ہو۔"

"جو کچھ بھی کہا جائے۔یہ ایک سنجیدہ شخص ہے؟"

"بالکل نہیں۔اس کی حقیقت محض حماقت پر مبنی ہے۔"

"کیا تم اسے ایک فلسفی کی حیثیت سے روشناس کرواسکتے ہو؟"

فلسفے کی جدید اختراع کے مطابق، اگر تم نے کوئی خواہش کی، تو وہ فلسفہ جو چوری، قید اور جنسی کجروی کو ملا دیتا ہے وہ لاجین جینٹ (La Jean Genet) ہے۔

انیس نے نیرو سے اپنی آخری ملاقات یاد کی۔نہیں، وہ کوئی عجیب الخلقت شخص نہیں تھا، کہ جیسے لوگ عموماً سمجھتے ہیں۔اس کے مطابق جب اس نے دیکھا کہ وہ بادشاہ بن گیا ہے تو اس نے اپنی ماں کو مار دیا اور پھر جب وہ دیوتا بن گیا تو اس نے روم کو نذرِ آتش کر دیا۔اس صورت

حال سے قبل وہ ایک عام شخص تھا جو فنونِ لطیفہ سے پیار کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب اسے جنت کی راحت حاصل ہے۔ انیس نے دیکھا کہ تمام نظریں اس کی طرف مرکوز ہیں اور سمارا اسے کچھ کہنا چاہتی ہے تو اس نے قہقہہ بلند کیا۔ سمارا بولی، ''اب تمہاری باری ہے، اے محافل کے روحِ رواں!'' تمہارے لئے سب سے اہم بات کون سی ہے؟''

انیس نے فوراً جواب دیا، ''تمہارا عاشق ہو جانا''۔

ہر شخص ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا اور رجب بولا: ''لیکن......''، پھر اسے یاد آیا۔ انہوں نے دوبارہ قہقہہ بلند کیا، اور پریشانی کے باوجود سمارا جواب کے لئے ڈٹی رہی۔ احمد نے اس کی طرف سے جواب دیا، ''ڈائریکٹر جنرل کو قتل کرنا۔''

سمارا مسکرائی، ''بالآخر میں نے کسی کو تو سنجیدہ پایا۔''

''لیکن وہ اس کے بارے میں تب سوچتا ہے جب اس کا ذہن خالی ہوتا ہے۔''

''تب بھی!''

عم عبدہ واپس آیا۔ وہ دروازے کے سامنے سکرین کے قریب رک گیا۔ ''اس خاتون نے خودکشی کی''، وہ بولا، ''اپنے محبوب سے تنازعے کے بعد۔''

کچھ دیر خاموشی رہی، جسے خالد نے توڑا، ''اس نے درست قدم اُٹھایا''، وہ بولا، ''عم عبدہ، حقے کا پانی تبدیل کر دو۔''

سمارا نے دھیمی آواز میں کہا، ''بہرحال اب بھی محبت باقی ہے۔''

خالد دوبارہ بول اُٹھا، ''غالباً، اس عورت نے سنجیدہ ہوتے ہی خود کو مار ڈالا۔ اس کے برعکس، ہم ایسا نہیں کر سکتے۔''

احمد نے کہا کہ ہر ذی روح سنجیدہ تھا اور اس نے اپنی زندگی اسی بنیاد پر بنائی: اور یہ کہ عموماً حماقت ذہن میں پیدا نہیں ہوتی۔ کوئی بھی شخص کسی قاتل کو بغیر محرک کے صرف لاء اٹرینجر (L'Etranger) جیسے ناول میں ہی پا سکتا ہے، لیکن حقیقی زندگی میں؟ بیکٹ وہ پہلا شخص تھا جس نے اس پبلشر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جس نے ''حماقت پر مبنی'' کتابوں کا

معاہدہ توڑ دیا تھا۔

سمارا قائل نہ ہوئی۔ وہ اس بات پر قائم رہی کہ جو کچھ بھی ذہن میں ہو اسے رویوں پر ضرور اثر انداز ہونا چاہیے۔ یا کم از کم، احساسات پر۔ مثلاً نظریہ تشکیک کو لیجیے، جو ہر جگہ موجود ہے، لافانیت، خودکشیاں! لیکن انسان اب بھی انسان ہی ہے، اور اسے ان تمام چیزوں سے بغاوت کرنی چاہیے، چاہے سال میں ایک بار ہی سہی!......

رجب نے تجویز پیش کی کہ اسے سورج طلوع ہونے تک یہاں قیام کرنا چاہیے تا کہ وہ ببول کے درختوں پر سورج کی شعاعیں پڑنے کا منظر دیکھ سکے۔

اس نے وہ دعوت قبول نہیں کی اور آدھی رات کو وہاں سے رخصت چاہی۔ جب ان میں سے کسی نے کہا کہ وہ اسے گھر چھوڑ آئے تو اس نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔

جب سمارا چلی گئی تو ایسی خاموشی چھا گئی جیسے محنت کے بعد آرام کرنے کے وقت ہوتی ہے۔ ان پر تھکاوٹ غالب آ جانے کے آثار تھے۔ انیس نے فیصلہ کیا کہ وہ انہیں اپنے ایٹمی تجربے سے متعلق آگاہ کرے، لیکن اس کی سستی نے ارادہ ترک کرنے پر مجبور کیا۔

''اس عجیب و دلربا خاتون کے پیچھے کیا چیز پنہاں ہے؟'' احمد نے ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اظہار کیا۔

علی کی بڑی بڑی آنکھیں اب سرخ ہو چکی تھیں اور اس کی ناک گنبد نما ہو چکی تھی۔ ''وہ ہر بات جاننا چاہتی ہے''، اس نے کہا، ''اور وہ ہر اس شخص کو دوست بنانا چاہتی ہے جو دوستی کے لائق ہے''۔

''کیا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سوچ رہی ہو کہ ایک نہ ایک دن وہ ہم سب کو تسخیر کر لے گی؟''، مصطفیٰ نے پوچھا۔ خالد نے مزید کہا، ''ایسی صورت حال میں ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اسے ان تین بیڈ رومز میں سے کسی ایک میں لے جائیں۔''

''یہ رجب کا کام ہے''۔

ثناء کی رنگت پیلی پڑ گئی، اتنی تمباکو نوشی، کے بعد اب کسی رائے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

''ہمیں ثناء کی کوئی جانشین چاہیے'' خالد نے کہا۔اس لڑکی نے رجب کی طرف بڑی تیکھی نظر ڈالی اور رجب نے اس کا مذاق اڑایا: ''لوگ اس وقت کچھ کہتے ہیں جب وہ بڑے بلند......''
تاہم خالد اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ ''کیا آپ کے خیال میں کسی معمولی شخص کا کسی سنجیدہ خاتون کو پیار کرنا آسان ہے؟''

حقے کا پائپ گھومنا شروع ہو گیا۔اور نگاہوں میں پژمردگی چھا گئی۔وہ چلم کو بالکونی میں لے گئے اور کوئلوں پر سے راکھ اڑا دی، کوئلے بھڑک اٹھے اور ان سے شعلے بلند ہوئے۔ انیس بالکونی کے دروازے پر گیا تا کہ ہوا کی نمی محسوس کر سکے۔اس نے حیرت سے آگ کی طرف دیکھا، جو اپنی سحر زدگی سے دستبردار ہوتی نظر آتی تھی۔اس نے سوچا کہ اس قوت کے راز سے کوئی اتنا شناسا نہیں جتنا دریا کا دہانہ۔چھپکلی، چوہے، پروانے، دریا کا پانی، یہ سب میرا خاندان ہے، لیکن اس قوت کے راز کو یہ دہانہ ہی جانتا ہے۔شمالی دنیا ایک مسحور کن علاقہ تھا جو جنگل سے بھرا ہوا تھا جس میں ''دن'' محض روشنی کی وہ کرنیں تھیں جو پتوں اور شاخوں کی جعفری سے اندر آتی تھیں۔ایک دن بادل غائب ہو گئے، شکستہ کھال اور سلیٹی رنگ والا ایک بن بلایا مہمان آیا جس کا نام قحط تھا۔ہم کیا کر سکتے ہیں جب موت ہمارے قریب ہو، سبزہ سوکھ گیا، پرندے ہجرت کر گئے اور جانور فنا ہو گئے۔ میں نے کہا: ''موت رینگتی ہوئی اور اپنے شکنجے پھیلاتی ہوئی قریب آ رہی ہے۔میرے کزن اک سہل زندگی اور پھلوں کی تلاش میں جنوب کی طرف چل پڑے، چاہے وہ چیزیں انہیں زمین کے آخری سرے پر ہی کیوں نہ لے جائیں۔ لیکن میرا خاندان دریائے نیل کے پانی کی ساکن جھیلوں کی طرف منتقل ہوا۔ ہمارے پاس سوائے انقلاب کے کوئی ہتھیار نہیں تھا اور اس دریا کے دہانے کے سوا ہمارے احمقانہ اور دلیرانہ کارناموں کا کوئی عینی شاہد بھی نہ تھا۔جو اشیاء وہاں ہماری منتظر تھیں وہ کانٹے دار درخت، رینگتے جنگلی جانور، مکھیاں، مچھر اور وحشی موت کی دعوت۔ان تمام چیزوں کا گواہ محض یہ دہانہ تھا۔ان سب نے کہا کہ ہم ہر ہر چپے پر ایک لڑائی لڑ سکیں جو خون اور پسینے میں لتھڑی ہو، کہنیوں تک

ہاتھ خون میں نہائے ہوئے، آنکھیں کھلی ہوئی اور کان چھدے ہوئے۔ اور موت کی پیش قدمی کے علاوہ کوئی اور شے سننے کے لئے نہیں۔ ہر جگہ بدروحیں تھیں، اور گدھ اپنے ''شکار'' کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔ کسی بھی کام کے لئے کوئی وقت نہیں تھا حتیٰ کہ ہمارے مردوں کی تدفین بھی ممکن نہیں تھی۔ وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا جو یہ پوچھ سکے کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ کمالات عمل میں لائے گئے، نیک شگون والے بیج بوئے گئے، مگر اس دہانے کے علاوہ کوئی بھی ان تمام باتوں کا گواہ نہیں تھا......

(۸)

ہر آنے والی شام کے آغاز پر اپنے ''جبلی'' ہونے کا احساس شدت اختیار کر جاتا ہے۔ تمام کا تمام وجود پرسکون ہے۔ فنا ہو جانے کی سوچ کوسوں دُور ہے اور ابدیت کے خیالات پر قابو پانے کے امکانات بھی کم ہیں۔ چونکہ آسمان پر چاندنی ہے لہٰذا ٹیوب بجھا دی گئی ہے اور ہم ایک لیمپ کی نیلے رنگ کی دھیمی روشنی پر ہی اکتفا کئے ہوئے ہیں، جو بالکونی کے دروازے پر لٹکا ہے۔ میرے تمام ساتھیوں کے چہرے زرد دکھائی دیتے ہیں۔ باہر بالکونی پر چاند...... جو یہاں سے بہت فاصلے پر ہے...... ''تمبا کو نوشی'' کرنے والوں کے نیم دائرے پر چاندی کے رنگ کی شکل معین بنائے ہوئے ہے۔

''نئی فلم سے متعلق تم نے سمارا کا مضمون پڑھا ہے، یقیناً پڑھا ہوگا؟''

''تمہارا مطلب ہے رجب سے متعلق''، کسی نے بات میں اضافہ کیا۔

یقیناً اس نے نہیں پڑھا۔ یہ اخبارات یا میگزین کا مطالعہ نہیں کرتا۔ جس طرح لوئس (Louis XVI) تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

لیلیٰ، ثناء کے احساسات کی پرواہ کئے بغیر بولی: ''سنجیدگی! واقعی! میں نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ میں ابتداء سے ہی جانتی تھی کہ وہ اپنے ذہن میں کوئی ارادہ لے کر آئی ہے۔''

''آؤ ڈانس کریں''، ثناء نے رجب سے کہا۔

''یہاں میوزک نہیں ہے''، اس نے حقارت بھرے ٹھنڈے انداز سے کہا۔

''ذرا سوچو تو کہ ہم نے بغیر میوزک کے کتنا ڈانس کیا ہے!''

''عزیزم! ذرا تحمل مزاجی سے کام لو۔ ورنہ پائپ یہاں نہیں گھومے گا۔''

وہ یہ سوچتا ہے کہ وہ کائنات کا محور ہے اور پائپ اسی کی وجہ سے گھومتا ہے۔ لیکن پائپ اسی عمومی وجہ سے گھومتا ہے جس وجہ سے کوئی بھی چیز کام کرتی ہے، اگر سیارے کسی سیدھے

راستے پر سفر کرنا شروع کر دیتے تو نظامِ کائنات بھی تبدیل ہو جاتا۔ گزشتہ رات مجھے دائمی زندگی پر مکمل یقین تھا، لیکن اپنے دفتر جاتے ہوئے مجھے اس کی وجہ بھول گئی۔

''میرے خیال میں یہ مضمون پڑھنے سے 'ذمہ داری' کا سا احساس پیدا ہوتا ہے''، خالد نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے رجب؟''

رجب نے اس انداز سے جواب دیا جیسے ثناء وہاں موجود نہ ہو: ''میرا خیال ہے یہ اس کی طرف سے ایک تعریف، ستائش اور پیش کش ہے۔''

''یہ بات یقینی ہے کہ وہ چند دنوں سے ہمیں چھوڑ گئی ہے!''

یہ چھپا ہوا ایک چوتھائی چاند اس اندھیرے کو ایک مخمور کن چمک سے ایسے بھر دیتا ہے جیسے گل بنفشہ کی سوئی ہوئی آنکھ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جنگوں کے دوران تمام رات معجزانہ طور پر چمکتے ہوئے یہ چاند کتنا افسردہ ہو گیا تھا؟ ایک مرتبہ پھر وہی جنگجو ہے جس نے ایک نئی جنگ میں چھلانگ لگا دی ہے، اور دیگر جنگجوؤں کی طرح اس کے لباس میں بھی زرہ بکتر کی سی سختی ہے......

رجب اپنے ساتھی سے انتہائی بے رخی سے مخاطب ہوا: ''میں نے سمارا کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اس سے پوچھا، کہ میں اس کے پاس آ جاؤں، کیا میں اسے پریشانی میں ڈالنے سے خوفزدہ نہیں تھا؟'' اس نے حیران ہو کر کہا، ''اس میں پریشانی کا کوئی سوال ہی نہیں!''

''دعوتِ عام!''

''لہٰذا چند ہی منٹوں میں مَیں اس کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ اور جس شخص کو میں نے اندر پایا وہ ہمارا دوست علی السید تھا!''

''میں نے اس کا شکریہ ادا کیا، تھوڑی سی کافی پی اور کہا کہ اس کے مضمون نے مجھے ایک نیا شخص بنا دیا!''

''مکّار، مکّاروں کی اولاد، پیدائشی مکّاروں کا جانشین''، علی نے ردھم سے کہا۔ میں اس کی ظاہری کشش سے بے انتہاء متاثر ہوا جبکہ اس کے صوتی اوتار سے ایسے رسیلے سُر نکلے کہ جو

محتسب کو تردد میں ڈال دیں!''

''جھوٹا سپنا''، علی نے کہا، ''یہ ایک عام گفتگو تھی جسے عام لہجے میں کیا گیا۔لیکن تم تو ایک فلم ڈائریکٹر کے ساتھ گرما گرم بحث میں مصروف تھے، وہ بحث جو کسی ڈیل کے حصول کے لئے تھی۔''

علی نے زوردار قہقہہ لگایا، یہ وہسکی کے ایک مسئلے کے بارے میں تھی اور کچھ نہیں۔ وہ وہسکی جسے کچھ ہی دیر بعد اس جہنمی کشتی گھر کے لوگ ختم کر ڈالیں گے۔''

''اور کیا یہ رسیلے سُروں کی حدود میں ہی تھی؟'' مصطفیٰ رشید نے پوچھا۔

''تم کسی رسمی سی محفل سے مزید کیا توقع کر سکتے ہو؟ لیکن اس کے باوجود بھی ان سنجیدہ محترمہ پر نسوانیت کی نقاب پڑی تھی، جیسے اس تتلی پر جو ایک پھول سے دوسرے پھول پر جاتی ہے، یا عم عبدہ جو سڑک پر موجود لڑکیوں کے لئے چکر لگاتا ہے۔''

ثناء کی آواز ایسے گونجی جیسے چھ تارے کے سب سے پہلے تار سے نکلتی ہے، جب کسی بجانے والے کا ہاتھ اچانک اس پر لگ جائے، ''تم کتنے بہترین جادوگر ہو''، وہ بولی۔

وہ ثناء پر ہنس دیا۔ دھیمی مسکراہٹ جو زردی مائل نیلی روشنی میں ایک رونی صورت محسوس ہوتی تھی، ''میری پیاری چھوٹی سی چیز''، اس نے کہا۔ ثناء نے برجستہ جواب دیا، ''اگر تم محسوس نہ کرو تو میں اتنی بھی چھوٹی نہیں ہوں۔''

''عمر میں چھوٹی مگر قد و قامت میں...... کتنی بلند۔''

''اوہ مجھے بچاؤ ایسے فرسودہ خیالات سے جو مملوک بادشاہوں کے دور میں عام تھے۔''

علی نے سرد آہ بھری، ''مملوک عہد میں ہونا...... جب تک کہ ہم خود سلطان بن سکیں، یقیناً۔'' ثناء نے واضح طور پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا، ''کتنی جلدی اس کشتی گھر میں لوگ سفاک درندے بن جاتے ہیں!''

لیکن درندوں کے بھی دل ہوتے ہیں۔ وہ وحشی اس وقت بن جاتے ہیں جب ان کا سامنا اپنے کسی دشمن سے ہو۔ میں اس وہیل کو نہیں بھولوں گا۔ جس نے کشتی سے پیچھے ہٹتے ہوئے مجھے بتایا

تھا: میں وہی وہیل ہوں جس نے حضرت یونسؑ کو بچایا تھا۔ لاکھوں نگاہیں اس وقت دریائے نیل کی طرف متوجہ ہوئیں اس چاندنی کو دیکھنے کے لئے جواب بھی موجود ہے۔ ہجرت کرنے والے پرندوں کے راستے سے بڑھ کر سمارا کے خلوص کی کوئی بہتر نشانی نہیں۔ اور جہاں تک بے چاری ثناء کا تعلق ہے تو وہ اپنی پہلی جوانی میں موجود غاروں کے باسیوں کو بھول چکی ہے......

انیس چلایا، ''یہ تمبا کو کاغذ کی طرح جل رہا ہے!'' پھر اس نے تمبا کو کو رومال میں لپیٹ لیا تا کہ اسے اچھی طرح مسل سکے...... ہر وقت جاپانی اولمپکس میں شرکت کرتے، ریس میں حصہ لیتے، ویٹ لفٹنگ کرتے اور نئے عالمی ریکارڈ قائم کرتے...... پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

رجب فون سننے کے لئے اُٹھا کیونکہ وہ کسی کی کال کے انتظار میں تھا۔ انیس اکا دُکا الفاظ کے علاوہ کچھ نہ سن سکا جیسے یقیناً اور ''بالکل درست''۔ اس نے ریسیور رکھا اور محفل سے مخاطب ہوا۔ ''اگر آپ اجازت دیں''، اس نے ثناء کی طرف مڑتے ہوئے کہا: ''میں شام ختم ہونے تک واپس آ جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اس کے تیز قدموں سے کشتی گھر ہل گیا۔

ثناء پھڑک گئی۔ دوسرے لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ آنسو بہا رہی ہے۔ کسی نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ ہر کسی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ لیکن علی نے اپنا سر ہلایا۔ بالآخر مصطفیٰ ثناء سے مخاطب ہوا اور بڑی شائستگی سے کہا، ''نہیں! رومانوی عہد کافی عرصہ پہلے ختم ہو چکا۔ اب حقیقت پسندی کا دور ہے۔''

اور لیلیٰ نے فخر ومباہت بھری ہنسی چھپاتے ہوئے کہا: ''یہ یہاں کا تسلیم شدہ اصول ہے...... کوئی چیز بھی پچھتاوے کے قابل نہیں۔''

''ختم کرو رومان پسندی اور پچھتاوے!'' ثناء نے بڑے پرجوش انداز میں کہا۔ ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ ایک پروڈیوسر سے ملنے گیا ہے''، علی نے کہا، ''لیکن تمہیں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تمہارا دوست خواتین میں دلچسپی لینے والا پیشہ ور انسان ہے!''

احمد کھڑا ہوا، ''میں تمہارے لئے وہسکی لاتا ہوں''، وہ بولا ''لیکن کوشش کرنا کہ خود بھی ساتھ ہی آ جانا۔''

ثانیہ بولی، ''حواس باختہ اور دوٹوک گفتگو کرنے والی خاتون تھی، اگر خراب تر، خراب ترین میں تبدیل ہو جاتا ہے تو تمہارے پاس احمد اور مصطفیٰ ہیں!'' ''اور میرے لئے کیا ہے، خبیثو!'' انیس بڑے وحشیانہ طریقے سے چلایا، اور پھر اس نے الفاظ بڑے بے ہنگم طریقے سے اپنے منہ سے نکالے: ''عیاش، بدنصیب، نشئی لوگو!''

ہر شخص ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ ''تمہارے خیال میں کیا یہ واقعی سمارا سے ملنے گیا ہے؟'' مصطفیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں، نہیں''، علی نے کہا۔

''اس کے لئے یہ غیر معمولی نہیں کہ وہ کسی عورت کے پیچھے جائے!''

''برائے مہربانی کوئی مجھے بتائے''، لیلیٰ نے پوچھا، ''اگر وہ رجب کے لئے نہیں تھی تو وہ اس زمین پر کیوں آئی؟''

''میں تسلیم کرتا ہوں کہ کوئی چیز بھی ناممکن نہیں''، علی نے کہا، ''لیکن سمارا کوئی معصوم لڑکی نہیں۔ میرا نہیں خیال کہ وہ نو دن کا ایک عجوبہ بن کر مطمئن ہو۔''

''وہ کیا چیز ہے جو لوگوں کو ناقابل یقین حد تک دیدہ دلیر بنا دیتی ہے؟'' مصطفیٰ نے حیرت سے کہا۔

''ہونہہ!، اس سطح کے کسی فنکار میں کوئی نہ کوئی کشش و وجاہت ضروری ہے۔ یہ اس فنکار کی نہ تو خوشبو ہے، نہ ہی حسن و جمال اور خوبصورتی، وہ بذات خود مجسم جنسیت ہے!''

''اوہ، اس سے متعلق خواتین کو گفتگو کرنے دیں''، احمد نے کہا۔ لیکن علی نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا: ''عورتیں محبت میں گرفتار ہو جاتی ہیں، لیکن وجہ نہیں بتاتیں!''

''ایسی صورت میں''، خالد نے مشورہ دیا، ''اپنے غدہ نخامی (۱) سے رابطہ کرو''۔

ثناء نے ایک گدا اُٹھایا اور بالکونی میں چلی گئی۔ ''کیا یہ ہی تمہارا نسوانی آئیڈیل ہے جسے تم تلاش کر رہے ہو؟'' علی نے چوری چھپے ثناء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصطفیٰ سے پوچھا۔

---

(۱)۔ غدہ نخامی (Pituitary Glands)= ایک چھوٹا سا غدہ جو دماغ کی جڑ میں واقع ہے اور کئی طرح کے ہارمون پیدا کرتا ہے۔

مصطفیٰ نے مختصراً نفی میں جواب دیا۔

''اباحتی انجمن''! خالد نے کہا، ''مفت محبت، یہ تمام بیماریوں کے لئے تریاق ہے۔''

''تف ہو تم سب پر!''، انیس نے فوراً کہا، تم ہی رومن تہذیب کے زوال کے ذمے دار ہو۔''

ہر شخص بڑبڑایا، ''آج رات تم غیر معمولی طور پر زود رنج محسوس ہوتے ہو!'' احمد نے اس کی حالت کا مشاہدہ کیا۔

''یہ غلیظ تمباکو۔''

''لیکن یہ تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''چاند سے متعلق کیا خیال ہے؟'' انیس نے پوچھا، ''تمہیں معلوم ہے طربیہ (ڈراموں) میں یہ کیا رول ادا کرتا ہے؟''

''کون سا طربیہ؟''

''طربیہ کا طربیہ۔''

حقے کا پائپ بغیر کسی وقفے کے گھوما۔ وہ اپنے منتشر خیالات سمیٹنے کے لئے خاموش تھے۔ اب لگائے جانے کے لئے مزید الزامات نہیں تھے۔ تاریخ؟ مستقبل؟ یہ کچھ بھی نہیں تھے۔ نہ ہی کم نہ زیادہ صفر، معجزات کا معجزہ۔ باہر چاندنی میں کوئی ظاہر ہوا۔ عم عبدہ کی آواز آئی۔ وہ ایسے الفاظ ادا کر رہا تھا جو کوئی بھی سمجھ نہیں سکا۔ کوئی تو مسکرایا اور کسی نے کہا حیرت ہے کہ وقت کتنی جلدی گزر گیا۔ وہ لوگ کشتی گھر کے پیندے سے لہروں کے ٹکرانے کی آواز سن سکتے تھے۔ بے شک اس کھیل میں چاند کا رول...... اور وہ رول جو بیل نے ادا کیا، جو آنکھوں پر پٹی باندھے پن پہیے پر کام کر رہا تھا۔ ایک دن شیخ نے مجھے کہا: تم جارحیت پسند ہو اور خدا جارح لوگوں کو پسند نہیں کرتا، جب میری ناک سے خون رس رہا تھا۔ شاید شیخ نے یہ الفاظ کسی دوسرے شخص سے کہے تھے اور شاید خون بھی اسی کی ناک سے رس رہا تھا۔ اس کے بعد آپ کس چیز پر یقین رکھ سکتے ہیں؟ ایک مرتبہ پھر آواز آئی: ''حیرت ہے وقت کتنی جلدی گزر گیا۔''

احمد نے سرد آہ بھری، ''جانے کا وقت ہو گیا۔''

یہ ہماری شاموں کی ماتمی جرس ہے۔ ایک بے سود سی سرگرمی شروع ہو گئی، مصطفیٰ اور احمد چلے گئے، ان کے بعد خالد اور لیلیٰ بھی اُٹھ گئے۔ تاہم علی اور ثانیہ باغیچے کی طرف دیکھتے بیڈروم میں چلے گئے۔ عم عبدہ کمرے کی صفائی کے لئے آیا، انیس نے تمباکو کی کوالٹی سے متعلق شکایت کی۔ اس بوڑھے شخص نے جواب دیا کہ بازار میں اس گھٹیا تمباکو کے علاوہ کوئی چیز دستیاب نہیں تھی۔

بالکونی سے چھینکنے کی آواز آئی۔ انیس کو فوراً ہی ثناء کا خیال آیا۔ وہ بالکونی کی طرف رینگتا ہوا گیا۔ پھر وہ بالکونی سے لگے راڈ پر جھک گیا۔ ''خوبصورت شام''، اس نے آہستگی سے کہا۔ چاندنی اب بالکونی سے ہٹ کر کشتی گھر کی دوسری جانب سڑک پر اپنا ہالہ بنائے تھی۔

''تمہارے خیال میں کیا وہ واپس آئے گا؟'' ثناء نے پوچھا۔

''کون؟''

''رجب!''

''کتنا دکھ ہوتا ہے جب کسی سے ایسا سوال پوچھا جائے جس کا وہ جواب نہ دے سکے!''

''اس نے کہا کہ شاید وہ شام کے اختتام تک آ جائے۔''

''شاید۔''

''کیا تمہاری ناراضگی کی وجہ میں ہوں؟''

''یقیناً ایسا نہیں ہے!''

''تمہارے خیال میں مجھے انتظار کرنا چاہیے؟''

انیس ذرا مسکرایا، ''لوگ ہزاروں سال سے اپنے مسیحا کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''کیا تم بھی انہی لوگوں کی طرح مجھ پر مسکرا رہے ہو؟''

''تم پر کوئی نہیں مسکرا رہا، یہ صرف بات کرنے کا انداز ہے۔''

''جو کچھ بھی ہو، تم ان سب سے بہتر ہو۔''

''میں۔''

''تم غلط بات نہیں کرتے۔''

''اسی وجہ سے میں گونگا ہوں۔''

''اور ہمارے درمیان کوئی چیز مشترک ہے۔''

''وہ کیا ہے؟''

''تنہائی۔''

''تمباکونوشی کرتے ہوئے تم بالکل بھی تنہا نہیں ہوتے۔''

''تم میرے ساتھ تھوڑا فلرٹ کیوں نہیں کرتے۔؟''

''حقیقی نشہ کرنے والا خود کفیل ہوتا ہے۔''

''کشتی میں بیٹھ کر دریا کی سیر کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میری ٹانگیں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتیں۔''

ثناء نے آہ بھری، ''اس کا کوئی حل نہیں۔ مجھے اب جانا ہے۔ اب یہاں کوئی نہیں جو مجھے چوک تک چھوڑ آئے۔''

''جس کے ساتھ جانے والا کوئی نہیں اسے عم عبدہ چھوڑ آئے گا۔''

ہوا کے چلنے میں، رات کی نم سانسوں میں اور بیڈروم کے بند دروازے کے پیچھے سے کھی کھی کی آواز۔ آسمان بالکل صاف تھا اور ہزاروں ستارے چمک رہے تھے۔ آسمان کے بیچ وہ ایک مسکراتا ہوا چہرہ تھا، اس کے نقوش مبہم تھے۔ اس نے محسوس کرنا شروع کر دیا کہ اس کی اہمیت کو اس وقت ہی سمجھا گیا جب اس نے اولمپکس میں عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ وقت اتنی تیزی سے گزرا کہ جنگ کا اصل المیہ اب اس کی نظروں کے سامنے آیا۔ شہنشاہِ فارس اپنے چبوترے پر کھڑا تھا اور اس کی فوج اس کے پیچھے۔ دائیں طرف اس کے فاتح جرنیل اور بائیں طرف شکست خوردہ فرعون سر جھکائے بیٹھا تھا۔ مصری فوج کے جنگی قیدی فاتح بادشاہ کے سامنے سے

گزر رہے تھے کہ اچانک فرعون پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شہنشاہ فارس کیمبیس (Cambyses) اس کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ کس چیز نے اسے رونے پر مجبور کیا۔ فرعون نے قیدیوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا، جو سر جھکائے چل رہا تھا۔

''اس شخص نے!'' وہ بولا۔

''میں ایک طویل عرصے سے اس کی جاہ وحشمت سے واقف ہوں، اسے زنجیروں میں جکڑا دیکھ کر میں کرب میں مبتلا ہو گیا!''

(۹)

شام کے لئے ہر چیز تیار ہو چکی تھی، عم عبدہ اذانِ مغرب دے رہا تھا۔لیکن ابھی ایک کڑا مرحلہ آگے ہے، انتظار کا مرحلہ، جادوئی کپ کے اثر دکھانے کا انتظار۔انتظار بے خوابی کے شدید احساس کا نام ہے اور سوائے ابدیت کے مرہم کے اس کا کوئی علاج نہیں۔اس وقت تک دریائے نیل تمہیں سکون سے نہیں رہنے دے گا، نہ ہی فاختاؤں کے غول: اور تجسس کے ساتھ تم اپنے شام کے ساتھیوں کو جدا ہوتا دیکھتے ہو جس طرح تم چیزوں کے اختتام کا منظر دیکھتے ہو۔ ببول کے درختوں پر ابھرتا چاند اس حزن و ملال کو کم کرنے کی بجائے مزید بڑھانے کا کام کرتا ہے، جب تک یہ سلسلہ رہتا ہے اچھے کاموں کے بعد بھی تاسف و مایوسی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور دل کسی دانائی سے بھی کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ماسوائے دانائی کے ختم ہونے کی خبر کے۔اس جادو کے اثر سے پہلے مصائب کو پیچھے ہٹنے دیں تا کہ وہ دوبارہ واپس نہ آئیں۔ جب ہم چاند پر جا بسیں گے تو ہم ابتدائی باسی ہوں گے جو بے کاری سے بے کاری کی طرف بھاگیں گے۔اس بے چاری مکڑی کا جالا بنانا قابلِ رحم ہے جس نے ایک شام گاؤں میں ٹراتے ہوئے مینڈکوں کے سامنے گانا گایا۔اس سہ پہر سونے سے پہلے تم نے نپولین کو سنا جو انگریزوں پر الزام لگا رہا تھا کہ انہوں نے مجھے زہر دے کر مارا تھا۔لیکن صرف انگریز ہی وہ قوم نہیں جو زہر دے کر مارتی ہے......

انیس بالکونی اور دروازے کے قریب سکرین کے درمیان ٹہلنے لگا۔اس نے نیلی روشنی والا لیمپ جلایا، پھر اس نے محسوس کیا کہ اسے کسی چیز نے اندر سے سکون دینا شروع کر دیا۔

کشتی گھر ہلا، زندگی کی نوید دیتی آوازیں بلند ہوئیں۔محفل جمی، چاند کی چاندنی میں حقے کا پائپ گھومنا شروع ہوا۔

پہلی مرتبہ ایسا تھا کہ ثناء موجود نہیں تھی۔جب احمد نے اس پر استفسار کیا تو تبصرے فوراً شروع ہوئے۔"بات یہ ہے" ثانیہ بولی، "تم تمام مرد اپنی کشش صفر پر لے آئے ہو۔تم نے اپنے طور طریقے بھلا دیئے ہیں۔"

رجب مخمور ہونے کی وجہ سے بے غرض و بے نیاز ہی رہا۔

''تم نے اس خاتون سے ظالمانہ سلوک کیا''، احمد نے اسے بتایا،''تم نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ ابھی وہ نوجوان ہے۔''

''میں ایک ہی وقت میں محبوب اور آیا کا کام نہیں کر سکتا۔''

''مگر وہ تو محض ایک لڑکی ہے!''

''میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اس کی زندگی میں شامل ہونے والا میں پہلا 'فنکار' نہیں ہوں۔'' احمد نے کہا،''شاید وہ رجب سے حقیقی محبت کرتی تھی۔'' رجب نے حاضر جوابی سے کام لیا،''اس جدید دور میں اگر محبت ایک مہینے کے لئے زندہ رہ سکے تو یہ عہد قرونِ وسطیٰ کا عہد کہلائے گا!'' پھر اس نے بتایا کہ کس طرح ثناء نے اپنے پرفریب انداز سے اسے ورغلانے کی کوشش کی تھی، اور کیسے اس نے خود کو بچایا جیسے حضرت یوسفؑ نے خود کو زلیخا سے۔ کس طرح ازل سے کہانیوں کے معرض وجود میں آنے میں محبت ذمے دار ہوتی ہے...... ان کے سروں پر چاندنی منعکس ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ منظر سے غائب ہو جائے گی۔ جب انیس نے انہیں گھورا تو نئے خدوخال کو اپنے ''کانوں'' کے ذریعے ہی دیکھا تھا، یا دھوئیں کے بادلوں میں سے، یا ان کے خیالات کے ذریعے سے، غرض جس طرح بھی وہ سامنے آئے۔ لیکن جب اس نے اچانک، لیکن بڑی گہری نظر سے، انہیں دیکھا تو اس نے خود کو اجنبیوں کے درمیان ایک اجنبی پایا۔ اسے لیلیٰ کی آنکھوں کے گرد جھریاں ایک کھنڈر کی طرح لگیں، اسے رجب کی مزاحیہ ہنسی میں ایک ظلم نظر آیا۔ دنیا بھی عجیب سی محسوس ہوئی، اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس عہد میں بیٹھا ہے، شاید اس عہد کا وجود بھی نہیں تھا۔ ان کے ہونٹوں پر سمارا کا نام سن کر وہ چونکا اور پھر فوراً ہی اسے سمارا کی آواز سنائی دی کہ جب کمرے کے باہر اس نے عم عبدہ سے مذاق کیا۔ کشتی گھر کے ہلنے سے اس کے جسم میں تھرتھری سی ہوئی۔ پھر سفید جیکٹ اور سکرٹ میں ملبوس سمارا اپنا ہاتھ ہلاتی اور لوگوں کو سلام کرتی نمودار ہوئی اور گدے پر موجود خالی جگہ پر بیٹھ گئی۔ وہ جگہ ثناء کی تھی۔ اس نے بڑے پرسکون انداز میں سگریٹ سلگائی، کسی شخص نے بھی اس کے روّیے سے

یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ گزشتہ رات رجب کے روّیے کی توجیہہ پیش کرے۔ اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا، ''ثناء کہاں ہے؟''

''عمِ عبدہ کی جھونپڑی میں''، مصطفیٰ نے جواب دیا۔

سمارا کے معصومانہ روّیے میں تبدیلی نہیں آئی۔ مصطفیٰ نے کہا کہ ''شاید وہ وہاں کسی 'انتہا' کی تلاش میں گئی ہے۔'' سمارا نے جواب دیا ''اسے یہ انتہاء تمہارے اندر تلاش کرنی چاہیے نہ کہ عمِ عبدہ کی جھونپڑی میں۔'' مصطفیٰ نے طنز کا سلسلہ جاری رکھا، ''دراصل ثناء نے محسوس کیا کہ رجب کی محبت ایک عارضی وصف ہے لہٰذا وہ کسی حقیقی اور ناقابلِ تبدیل شے کی تلاش میں نکل گئی۔''

''عمِ عبدہ کی جھونپڑی میں کچھ نہ کچھ ناقابلِ تبدیل ضرور ہے'' سمارا نے بڑی اداسی سے کہا'' کھوکھلاپن۔''

یہ درست ہے۔ اس بوڑھے شخص کے پاس صرف وہی چوغہ ہے جو وہ پہنتا ہے، وہ ایک پرانے بستر پر سوتا ہے جس کے اوپر بچھانے کے لئے کوئی چیز نہیں۔ انیس جب اس کشتی گھر میں آیا تھا تو اس نے عمِ عبدہ کو اسی حالت میں پایا تھا۔ اب اسے چاہیے کہ وہ اس بوڑھے شخص کو موسم سرما شروع ہونے سے پہلے ایک کمبل خرید دے۔'' مصطفیٰ نے ایک مرتبہ پھر سمارا کو مجبور کیا کہ وہ حقہ پی کر دیکھے، رجب نے مصطفیٰ کی ہاں میں ہاں بھری، ''تم اتنی سخت گیر کب سے ہو گئیں۔''

وہ مسکرائی، ''تم اس (حقے) سے اتنی محبت کیوں کرتے ہو؟ یہ سوال زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔''

''نہیں تمہارے پرہیز کی وضاحت زیادہ ضروری ہے!''

''یہ بات ہر کسی پر عیاں ہے کہ اس کی یہ بڑی دیرینہ خواہش تھی کہ اس مسئلے کی تہہ تک جائے۔ بہت خوب۔ لوگ حقے سے نگاہِ تغافل برتنے کو عبادت کا درجہ کیوں دیتے تھے؟ اور لوگ اس احمقانہ نشے کے آرزومند کیوں تھے؟''

''تو پھر لفظ 'نشے' کی وضاحت انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (Encyclopaedia Britannica) میں کیوں نہیں دیکھتیں'' خالد نے تجویز پیش کی، مصطفیٰ نے فوراً کہا: ''محترمہ فرسودہ خیالات سے خبردار!'' وہ مسکرائی اور مصطفیٰ نے گفتگو جاری رکھی: ''اور راہِ فرار جیسے احمقانہ الفاظ سے بھی......''

اس نے سادگی سے کہا، ''میں تو صرف جاننا چاہتی ہوں۔''

''کیا یہ کوئی نئی تفتیش ہے؟'' رجب نے پوچھا۔

''میں تمہیں بالکل بھی اجازت نہیں دوں گی کہ مجھے اس طرح موردِالزام ٹھہراؤ!''

''فرسودہ خیالات کی کوئی اہمیت نہیں''، مصطفیٰ نے چیلنج دیا۔

''ہم سب کام کرنے والے لوگ ہیں۔ اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ کا ڈائریکٹر، ایک تنقید نگار، ایک فنکار، ایک مصنف، ایک قانون دان اور ایک گورنمنٹ ملازم۔ اس معاشرے کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہم اسے دیتے ہیں، ہم کس چیز سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں؟''

بڑے کھلے دل سے سمارا نے جواب دیا، ''تم خود ہی دلائل دے رہے ہو اور خود ہی انہیں ردّ کر رہے ہو۔ میں تو محض یہ پوچھ رہی ہوں کہ حقے کا پائپ تمہارے لئے کیا کرتا ہے؟''

علی السید بولا، ''جس طرح کسی شاعر نے کہا:

''بے خواب آنکھیں، سوتی آنکھیں،

کسی وجہ سے یا بلا وجہ،

تمہارے چاہنے پر تفکرات دُور کر سکتی ہیں

کہ جو تفکرات دیوانگی کی طرف لے جاتے ہیں۔''

''یہ سب تمہارے تفکرات کی وجہ ہے!'' وہ فاتحانہ سے انداز میں بولی۔

لیکن مصطفیٰ ثابت قدم رہا، ''ہم اپنے روزمرہ کے معمولات پر غیر معمولی توجہ دیتے ہیں۔ ہم نکمے لوگ نہیں۔ ہم خاندانوں کے سرپرست ہیں! ہمیں بے شمار کام کرنے ہوتے ہیں۔''

جوں جوں گفتگو آگے بڑھتی رہی، دنیا عجیب وغریب لگنے لگی۔ تفکرات، ست لوگ اور فرسودہ خیالات۔ سرخ آنکھوں کے ساتھ مخمور تبادلۂ خیال۔ چاند اب نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے مگر پانی کی سطح کسی ناشناسا، مسکراتے چہرے کی طرح چمک رہی ہے۔ یہ خاتون کیا چاہتی ہے؟ تمبا کو نوشی کرنے والے کیا چاہتے ہیں؟ وہ لوگ اسے ''سکون'' کے لئے پیتے ہیں جبکہ یہ خاتون اسے نشے کا نام دیتی ہے۔ یہ بات خلافِ معمول ہے کہ کشتی گھر اس بحث سے نہیں ہلتا مگر راہداری میں کسی کے قدموں کی آہٹ سے ہلتا ہے۔ عم عبدہ آیا اور پانی تبدیل کرنے کے لئے حقے کو لے گیا۔ وہ اسے واپس لایا اور رکھ دیا۔ انیس نے دریائے نیل کی چمک دیکھی اور مسکرایا۔ اسے سمارا کی آواز دوبارہ سنائی دی جو اسے بلا رہی تھی۔ اس نے سمارا کی طرف نگاہ کی جبکہ اس کے ہاتھ حقے کے کاموں میں ہی مصروف رہے۔

''میں تمہاری رائے جاننا چاہتی ہوں''، وہ بولی۔

''محترمہ!'' اس نے سادگی سے کہا، ''شادی کر لو۔''

سب لوگ ہنس پڑے۔ ''یہ مبلغ کے کردار میں بہتر رہے گی''، رجب نے کہا۔

لیکن وہ ثابت قدم رہی، پریشان نہیں ہوئی اور اپنی نگاہوں سے انیس کو بولنے پر مجبور کرتی رہی۔

انیس اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے کام میں مصروف رہا۔ ایک اور ایک دو کیوں ہوتے ہیں؟ ایک اُکتا دینے والی خاتون۔ زندگی کی بے کیف سرگرمیوں کے ساتھ ہمارے سروں پر سوار۔ وہ کیا چاہتی ہے؟ ہم اس جنگ سے کیسے نبرد آزما ہو سکتے ہیں جو ہر وقت بڑے زور وشور سے جاری ہے!

جب وہ انیس سے ناامید ہوئی تو اُس نے مصطفیٰ کا رُخ کیا، ''میں تسلیم کرتی ہوں کہ تم اپنی روزمرہ کی زندگی کے مسائل کو سنجیدگی سے دیکھتے ہو۔ مگر معاشرتی زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''تمہارا مطلب ہے قومی سیاست؟''

''اور خارجہ پالیسی!'' اس نے جواب دیا۔

''اور بین الاقوامی مسائل بھی، یہ کیوں نہیں!'' خالد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اس نے مسکرا کر کہا، ''اور یہ بھی۔''

''اور ہمیں کائناتی سیاست سے بھی روگردانی نہیں کرنی چاہیے''، مصطفیٰ نے مزید کہا۔

''میرے خیال میں مسائل ہمارے تصورات سے بھی بڑھ کر ہیں''، سمارا مسکراتے ہوئے بولی۔

''اب ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں''، مصطفیٰ نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا، ''تم اس وقت کے بارے میں افسوس کرتی ہو جو ہر شام ہم یہاں بیٹھ کر ضائع کرتے ہیں۔ تم سمجھتی ہو کہ یہ سرگرمی ہماری حقیقی ذمے داریوں سے راہِ فرار ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ ہم عرب دنیا، اس زمین اور کائنات کے مسائل کا حل نکال لیں گے۔''

وہ پھر مسکرائے۔ انہوں نے انیس کو بتایا کہ اس دنیا کے مصائب و آلام اور اس کائنات کے غیر حل شدہ معموں کی اصل وجہ وہ ہے۔ مصطفیٰ نے تجویز پیش کی کہ حقے کو دریائے نیل میں پھینک کر انہیں اپنے درمیان کام تقسیم کر لینے چاہئیں۔ خالد کے ذمے قومی پالیسی، علی کے ذمے بین الاقوامی مسائل اور خود مصطفیٰ کو کائناتی مشکلات کا حل نکالنا چاہیے۔ انہیں ابتداء کیسے کرنی چاہیے؟ انہیں خود کو کیسے منظم کرنا چاہیے؟ وہ کیسے لوگوں پر تشدد کئے بغیر اور ان نظریات سے روگردانی نہ کرتے ہوئے سوشلسٹ خیالات کو قومی اور جمہوری سطح پر عملی جامہ پہنا سکیں گے؟ جہاں تک مصطفیٰ کا تعلق ہے انہیں یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ سائنس اور فلسفہ پڑھ کر اپنے کام کا آغاز کو لے یا وہ مراقبے میں جا کر کسی روشنی اور امید کی کرن کا انتظار کریں! انہوں نے اپنی راہ میں حائل بڑی بڑی رکاوٹوں پر بھی خاطر خواہ توجہ دی، اور ان خطرات کا بھی ذکر کیا جن کا انہیں سامنا تھا۔ ذاتی اساسوں کی ترقی، قید و بند، سزائے موت......

پھر کسی شخص نے شکایت کی، ''خیریت ہے، وقت کتنی جلدی گزر گیا۔''

چاند مکمل طور پر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا اور پانی کی سطح پر معمولی سی روشنی باقی تھی۔

نہ تو حقے کا پائپ گھومنا بند ہوا تھا اور نہ ہی سمارا نے ہنسنا بند کیا۔

انیس کے ذہن میں مختلف خیالات آ رہے تھے۔ اسلام کے ابتدائی ایام کی جنگوں کے خیالات، صلیبی جنگوں کے خیالات، سرکاری تحقیقات کی عدالتیں۔ مشہور عشاق اور فلسفیوں کی اموات، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں میں خونریز جھڑپیں، اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے عیسائیوں کی عمریں۔ امریکہ کو دریافت کرنے والے کا سفر، عدیلہ اور ہانیہ کی موت، بازاری لڑکیوں سے اس کے تعلقات، وہ وہیل جس نے حضرت یونسؑ کو بچایا، عم عبدہ کی ڈیوٹی جو امام جماعت اور لڑکیاں مہیا کرنے کے درمیان تقسیم ہے۔ رات کے آخری پہر کی خاموشی، جسے وہ کبھی بھی بیان نہیں کر سکا، بڑے پھرتیلے اور ضیاء پاش خیالات جو فنا ہونے سے قبل صرف ایک لمحے کے لئے دمک اُٹھتے ہیں۔

اسے سمارا کی آواز سنائی دی، جو ہر شخص سے یہ پوچھ رہی تھی کہ وہ اپنی جوانی اور اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں کیسا تھا۔ وہ ہنس دیئے۔ وہ کیوں ہنسے؟ یہ تو ایسا ہی تھا جیسے ان کی زندگیوں کی کوئی ابتداء نہیں تھی۔ بلکہ بہت قدیم یادیں تھیں۔

گاؤں، تنہا کمرہ اور عزم، گاؤں میں عزم اور تنہا کمرہ۔ جب چاند نکلتا تھا اور کسی چیز کے اختتام کے اشارے کے بغیر نظروں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔

''میرے لڑکپن میں''، خالد نے کہا، ''کوئی بھی سوال ایسا نہیں تھا جس کا جواب نہ ہو۔ ہمارے خیال میں دنیا گھوما نہیں کرتی تھی اور امید کی کرنیں زمانہ مستقبل میں ایک لاکھ نوری سال کے برابر پھیلی ہوئی تھیں۔''

علی نے کہا: ''مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں اس بات پر حیران ہوا کہ یہ ہماری دائمی خوشیوں میں موت کا خوف کیوں حائل ہوتا ہے؟۔''

''اور ایک دن''، مصطفیٰ نے بات بڑھائی، ''ایک انقلابی مظاہرے میں انیس اور میں موت سے بال بال بچے!''

ان باتوں پر سمارا کو حیرت نہیں ہوئی۔ وہ ایک معاصرانہ انداز میں شدتِ جذبات کے

امکان کے بارے میں گفتگو کرنے لگی۔ تاہم دیگر افراد عورت کی فطری دغابازی پر گفتگو کرنے لگے کہ اسی چیز نے ان لوگوں کے درمیان اعتماد کو ختم کیا......

وہ مصطفیٰ سے مخاطب ہوئی، جو سب سے زیادہ دلائل دے رہا تھا، ''تم ذمے داری سے فرار اختیار کر کے، انتہاء میں پناہ لے رہے ہو۔''

اس نے بڑی حماقت سے جواب دیا، ''لوگ انتہا سے راہ فرار اختیار کر کے ذمے داری میں پناہ لیتے ہیں۔''

وہی چوزے اور انڈے والی بات۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں کوئلوں کا ڈھیر لگاتا ہوں، حقہ تازہ کرتا ہوں، آگ جلاتا ہوں اور حقے کا پائپ گھماتا ہوں۔ مرضی ہو یا نہ ہو، میں ان کے فرسودہ خیالات جی بھر کے سنتا ہوں، خواتین مسکراتی ہیں اور محبت کے فسانے دیکھتی ہیں، اور وقت حیرت انگیز رفتار سے گزرتا ہے۔ ہر مرتبہ وہ مہذب دوشیزہ جانے کی خواہش کرتی ہے اور وہ جادوگر اسے روک کے رکھتا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد اس محفل پر تباہی آ جائے گی۔ عمر خیام، جس نے فلسفے کے ایک مکتبہ فکر میں اپنا لوہا منوایا، نے اب اپنے نام سے ایک ہوٹل بنا لیا ہے جہاں ہر قسم کی تفریح کا سامان موجود ہے۔ مجھ سے اپنی آخری ملاقات میں اس نے بتایا کہ اگر وہ اس عہد میں زندہ ہوتا تو وہ کسی کلب کا ممبر ہوتا......

''گھر جانے کا وقت ہو گیا!''

سوائے رجب اور سمارا کے تمام افراد رخصت ہو گئے۔

ایک بات حقیقی ہے کہ یہ افراد نہیں جانتے کہ یہی دریا ہے جس نے ہمیں پریشانی میں ڈالا، ہماری پوجا پاٹ کے قدیم آثار میں سے بیل دیوتا ایپس کے علاوہ کچھ باقی نہیں۔ اور اصل مسئلہ زندگی کا خوف ہے نہ کہ موت کا۔ اور اب تم روایتی گفتگو سنو گے جو بڑے مقدس انداز میں آگے بڑھے گی۔

''تو میری جان کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم محبت سے لطف اندوز ہوں؟''

''نہایت شاندار خیال ہے!''

''تو پھر......؟''

''میری جان میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں سنجیدہ ہوں!''

''بورژوائی ذہنیت۔''

''سنجیدہ، س۔ن۔ج۔ی۔د۔ہ۔''

''تو پھر اس زمین پر تم اپنا ہاتھ کس طرح دوسرے کے ہاتھ میں دو گی؟''

اور جب وہ کچھ نہ بولی تو اس نے مزید کہا: ''شادی کے لئے، مثلاً؟''

''کہو حقیقی محبت۔''

''تو پھر آؤ......''

اس نے دوبارہ پوچھا، ''کیا تم واقعی سنجیدہ ہو؟''

''میں مذاق نہیں کرتا''، وہ بولا۔

''ثناء کا کیا ہوگا؟''

''تمہیں سن بلوغت والی احمقانہ نفسیات نہیں معلوم۔''

''میں بھی بہت سی ایسی باتوں کو جانتی ہوں جو تم جانتے ہو۔''

''اگر میں سنجیدہ ہونے کا وعدہ کروں تو کیا تم مجھ سے بھرپور تعاون کرو گی؟''

''تم بہت خوبرو ہو۔''

اب وہ اپنے لبوں کو اس کے چہرے کے قریب لا رہا ہے۔ وہی پرانا منظر دوہرایا جائے گا۔ اب وہ اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ رہا ہے۔ نہ تو اس نے مزاحمت کی اور نہ ہی ردّعمل۔ پھر اس نے سمارا کو بڑی سردی اور طنزیہ نظروں سے گھورا۔ اس ''صاحب'' کی گرمی جذبات ماند پڑ گئی اور اس نے پسپائی اختیار کی۔ اس طرح محض مصری فراعنہ کی خاموشی مدافعت سے ہی فارس کا قدیم قبضہ ختم ہو گیا۔

رجب مسکرایا اور کہا، ''چلو باغ میں چہل قدمی کرتے ہیں۔''

''لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے......''

''اس کشتی گھر میں اس (دیر) قسم کی کوئی چیز موجود نہیں۔''

کمرہ اب خالی تھا، یہ خالی نہیں، اس میں اب بھی گزشتہ شام کا ''ملبہ'' موجود تھا، پھر لائبریری، سکرین، فرج، ٹیلی فون، ٹیوب، نیلی روشنی کا لیمپ، بازوؤں والی دو کرسیاں، ہلکا نیلا قالین جس پر گلابی رنگ کے نقوش تھے، اور ایٹمی دور کے انسان کی ایک ایسی تصویر جس میں وہ لپٹا ہوا تھا۔ جہاں تک ان دونوں کا تعلق ہے، وہ باغ میں چہل قدمی کر رہے ہیں، شبنمی گھاس ان کی گرمی جذبات کو ٹھنڈا کر دے گی اور ان کی سرگوشیاں بنفشاء اور یاسمین کے پتوں میں گم ہو جائیں گی اور اب وہ جھینگروں کے سُروں پر رقص کر سکیں گے۔

عم عبدہ اپنی ڈیوٹی کا آخری کام کرنے آیا۔ انیس نے اسے کچھ دیر دیکھا پھر کہا: ''تم کوئی لڑکی تلاش کر لاؤ......''

''اوہ!''

''وضو کرنے سے پہلے یا بعد میں، اور تم نہ لائے تو تمہاری شامت آ جائے گی۔''

''ہمارے ساتھ روزانہ نماز فجر ادا کرنے والا ایک شخص وفات پا گیا۔ بہت اچھا شخص تھا۔''

''خدا تمہیں سلامت رکھے۔ میرا خیال ہے تم ہم سب کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرو گے۔'' پیتل کی ٹرے اٹھاتے ہوئے اس بوڑھے شخص نے زوردار قہقہہ لگایا۔

انیس کی نظریں سفید رنگ کے اس بڑے بیگ پر پڑیں جو گدے پر اس جگہ پڑا تھا جہاں سمارا بیٹھی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس بیگ کی بھی کوئی شخصیت ہو، کہ وہ اپنی مکاری اور جادوگری سے اسے متاثر کر رہا تھا...... ہاں، وہ اس دیوانی ضرورت سے واقف تھا جو اسے ایک خطرناک کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس نے وہ بیگ اٹھایا اور اسے کھول لیا۔

اسے وہ تمام چیزیں نظر آئیں جس کی کسی کو بھی توقع ہوتی ہے، لیکن ان سے ناشناسی ٹپک رہی تھی۔ پاکیزگی کی خوشبو اس پر غالب آ گئی۔ ایک رومال، گہرے نیلے رنگ کی ایک بوتل، سرمئی رنگ کے ہینڈل والی کنگھی، ایک پرس اور ایک نوٹ بک۔ اس نے پرس کھولا۔ اس

میں کئی نوٹ تھے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ پچاس پیاسٹر (Piasters) اس لڑکی کو دے گا جسے عم عبدہ لائے گا۔ کتنا شاندار خیال۔ پھر ایک بے مثال نظریہ اس کے ذہن میں آیا کہ جس سے وہ ہر قسم کی شرارت کر سکتا تھا، اس نے وہ نوٹ بک اپنی جیب میں ڈال لی۔ وہ بیگ بند کیا اور قہقہہ بلند کیا۔

وہ ایک جراحی عمل میں لائے گا۔ وہ جراحی جس میں وہ کئی سال قبل ناکام ہو گیا تھا۔ ایک ایسے دل کو کھولنا جو اس کے لئے بند ہو چکا تھا۔ اس کی جوانی کی تجدید ہو جائے گی۔ اس کا بچپن لوٹ آئے گا۔ وہ لڑکی ہر اس خیال کو بیان کر دے گی جو اس کے ذہن میں آیا یا نہیں آیا۔ پھر وہ اس بات پر حیران ہو گی کہ ابتدائی دور سے تعلق رکھنے والی ایک چھوٹی سی خوردبینی چیز میں اتنے کمالات کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور وہ مجھ سے پوچھے گی کہ یہ کس زمانے کی بات ہے کہ میں ایک آتش فشاں تھا اور پھر مجھ پر راکھ کی تہہ جم گئی تھی اور مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔

میں اس کا جواب نہیں دے سکتا، شاید تمہیں معلوم ہو، تم، جس کی یادداشت پر تاریخ مبنی ہے۔ وہ میرے سامنے کسی بت کی طرح بیٹھا تھا اور میں نے کہا: ''کیا تم واقعی فرعون ہو؟ کیا تم ہی تھٹ موس سوئم (Thutmose III) ہو؟''

''ہاں!'' اس نے کچھ ایسی آواز میں کہا کہ مجھے مصطفیٰ رشید یاد آ گیا۔

''تم کیا کر رہے ہو؟''

''میں اپنی بہن ہیتشی پٹ (Hatsheput) کے تخت و تاج میں شریک ہوں۔''

میں نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا: ''بہت سے افراد یہ پوچھتے ہیں کہ آپ اس کے سائے میں اتنے نڈھال کیوں نظر آتے ہیں۔''

''وہ ملکہ عالیہ ہے۔''

''لیکن آپ بھی تو بادشاہ ہیں۔''

''وہ طاقتور ہے اور ہر چیز پر اپنا غلبہ چاہتی ہے۔''

''لیکن آپ مصر کے عظیم ترین جرنیل ہیں اور سب سے مضبوط مصنف بھی......''

''اب تک میں نے کسی جنگ میں شرکت نہیں کی اور نہ ہی عدل کیا!''

''میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ آپ کا کیا ہوگا۔ کیا آپ کو ادراک نہیں؟''

''لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم؟''

''تاریخ سے۔ ہر شخص اس سے واقف ہے؟''

وہ میری نظروں کے سامنے آ گیا اور مجھے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے احمقوں کو دیکھتے ہیں۔

میں بضد تھا۔ ''یہ تاریخ ہے۔ یقین کریں۔''

''لیکن تم مستقبل کی بات کر رہے ہو جو نا معلوم ہے۔''

اور میں نے کسی ڈراؤنا خواب دیکھنے والے، بے بس شخص کی طرح کہا: ''یقین کریں، یہ تاریخ ہے''۔

(۱۰)

ڈرامے کے لئے منظرنامہ:

سنجیدہ بمقابلہ نامعقول، یہی ڈرامے کا مرکزی خیال ہے۔ معانی ومفہوم کا ناپید ہونا حماقت کہلاتا ہے، وہ معانی کسی بھی چیز کے ہوں۔ یقین کا ختم ہونا۔ وہ یقین کسی بھی چیز پہ ہو۔ یہ یقین کامل اورامید کے بغیر زندگی کا وہ سفر ہے جسے محض ضرورت ہی آگے دھکیل سکتی ہے۔اس کی جھلک کسی ایسے کردار میں نظر آتی ہے جو تشکیک اور انتشار پر مبنی ہو۔ بہادری، مزاح اور دیومالائی داستان میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ نیکی اور بدی ہیں: کسی ایک کو دوسرے کے بعد اختیار کیا جاتا ہے۔ اگر کسی ایک کو.......... محض انانیت، بزدلی یا موقع پرستی کے تحرک سے اختیار کیا جائے تو تمام اقدار فنا ہو جائیں اور تہذیب کا خاتمہ ہو جائے۔

اس تناظر میں جس چیز کا جاننا ضروری ہے وہ ان مذہبی لوگوں کا مسئلہ ہے جو حماقت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے یقین کامل میں کوئی کمی نہیں، اس کے باوجود وہ عملی طور پر بے نتیجہ زندگی گزارتے ہیں۔ اسے کیسے بیان کیا جائے؟ کیا انہوں نے مذہب کو سمجھنے میں غلطی کی؟ یا ان کا یقین حقیقت پر مبنی نہیں، جو ایک معمول ہے۔ ایک بے بنیاد یقین جو انتہائی رسوا کن موقع پرستی اور ناجائز لوٹ کھسوٹ کے لئے بہروپ کا کام کرتا ہے؟ اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے گہرے مطالعے اور مشاہدے کی ضرورت ہے، اسی طرح جیسے یہ مسئلہ کہ مجھے ایک ڈرامے کی صورت میں اسے سمجھانا ہے یا ایک آزاد موضوع کی صورت۔

جہاں تک سنجیدگی کا تعلق ہے اس کا مطلب ہے یقین۔ مگر کس چیز پر یقین؟ ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم کس چیز پر یقین رکھیں۔ یہ بھی لازمی ہے کہ ہمارے یقین میں حقیقی مذہبی ایمان کی سنجیدگی کے ساتھ ساتھ وہ حیران کن قوت ہونی چاہیے جو ہمیں مردانگی و بہادری کے امور سرانجام دینے کا تحرک دے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ہمارا یقین محض ایک سنجیدہ قسم کی حماقت پر مبنی ہے۔ ان تمام چیزوں کی تشریح صورت حال اور الفاظ کی ادائیگی سے ہی ممکن ہے، چاہے

وہ انسانیت پر یقین ہو، سائنس پر یا دونوں پر۔ اس مسئلے کو سادہ بنانے کے لئے میں یہ کہوں گی کہ وہ انسان جنہیں پرانی طرز کی حماقت کا سامنا تھا وہ مذہب سے کس چیز میں راہِ فرار اختیار کرے؟ یہ بات بے سود ہے کہ لوگوں سے رابطے کی امید کا تصور اس زبان میں کیا جائے۔ جس میں ہم بڑے اور چھوٹے حقائق کی ترتیل کر سکتے ہیں۔ چونکہ یہ قدیم حقائق ہیں، جنہیں مذہب کی زبان تک محدود رکھا گیا تھا، اور اب انہیں انسان کی نئی زبان میں از سر نو پیش کیا جانا چاہیے۔

آیئے سائنسدانوں اور ان کے طریقہ کار کا جائزہ لیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ کبھی بھی حماقت کا شکار نہیں ہوئے۔ کیوں؟ شاید اس لئے کہ ان کے پاس اس کے لئے وقت نہیں۔ یا شاید اس لئے بھی کہ ان کا حقیقت سے مسلسل رابطہ ہے۔ مسلمہ سچ کے کامیاب ضابطے پر انحصار کرنے کی وجہ سے شکوک یا مایوسی ان پر حملہ آور نہیں ہوتی۔ ان میں سے کوئی بھی شخص کسی ایک مسئلے کے حل کے لئے بیس سال تک کام کر سکتا ہے اور نئی دلچسپیاں پیدا کرے گا، تحقیق کے لئے طویل عرصہ صرف کرے گا، یوں سچ کے راستے میں ایک اور مضبوط قدم اٹھایا جائے گا۔ سائنس دان کی قیام گاہ خوشبو سے معطر ہوتی ہے، یہ ترقی اور کامیابی کی خوشبو ہوتی ہے۔ جہاں تک ان سوالات کا تعلق ہے کہ ہم کہاں سے آئے؟ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اور زندگی کے معانی کیا ہیں؟ تو یہ ان لوگوں کے لئے کوئی رغبت نہیں رکھتے۔ یہ لوگ حماقت کا کوئی اشارہ بھی نہیں دیتے۔ حقیقی علم ایک ایسے عہد میں اخلاقی ضابطہ پیش کرتا ہے جس میں اقدار ریزہ ریزہ ہو رہی ہیں۔ یہ ضابطہ سچائی سے محبت میں عیاں ہے، انصاف مہیا کرنے میں دیانت داری، کام کرنے میں انتہائی لگن، تحقیق میں تعاون، اور مخلوق خدا سے بے ساختہ میلان و محبت رکھنے کا انسانی رویہ۔ کیا کسی ایک خاص مقام پر پہنچ کر سائنسی مہارت کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ نئی نسل کے دلوں سے موقع پرستی کو نکال دے؟

بہرصورت میرے لئے اب یہ بہتر ہو گا کہ میں مرکزی خیال کی تشریح مزید نہ کروں۔ اپنے کام کے لئے جن عناصر کی ضرورت ہے ان کے خلاصے کے بعد میں اس کی طرف لوٹ کر آؤں گی۔

میں اس منظرنامے کے کھل جانے کا تصور مندرجہ ذیل صورت میں کرتی ہوں: ایک جوان خاتون چند افراد کے ایک گروپ کو تبدیل کرنے کی غرض سے ان پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اس کو انتہائی مہارت سے اس میں کامیاب ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوا، تو اس ڈرامے کا کوئی مقصد نہیں۔ ایک سنجیدہ خاتون اور چند احمق مرد۔ مجھے ایک محبت بھرے افسانے کی ضرورت ہے۔ یہ انتہائی دلچسپ ہوگا اگر وہ تمام افراد اس کی محبت میں گرفتار ہو جائیں اور اسے ان میں سے کسی ایک کا چناؤ کرنا پڑے، یا وہ خود بغیر سوچے سمجھے ان میں سے کسی کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔ محبت سنجیدہ اور احمق لوگوں کے مسائل کے بیچ لازمی طور پر ایک ڈرامائی کھچاؤ ہونا چاہیے تاکہ ڈرامے میں کوئی جھول نہ ہو۔ لیکن کیا یہ کسی دانشورانہ تخالف کے دائرہ کار میں کسی محبت کے افسانے کی حیثیت سے اُبھر پائے گا؟ یا یہ علمی بحثوں اور دوستانہ سرگوشیوں تک محدود رہے گا؟ کیا یہ پلاٹ بحث مباحثے پر مبنی ہوگا یا جذبات پر؟ میرے پاس ایک اہم اور ضروری چیز نہیں ہے، وہ کیا ہے؟ حماقتیں کس طرح عقیدے کی حیثیت اختیار کرتی ہیں؟ اس کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ معاشرے میں ایک عقیدے کی صورت موجود ہوں۔ میرا مطلب ہے آیا بہادری کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ازسرِنو جنم لے؟

میں ان خیالات سے آشنا ہوں جن کی وضاحت، کسی پلاٹ کی تکمیل کے لئے، کرنا ضروری ہے۔ مجھے اس منظرنامے کے کرداروں سے متعلق کچھ حقائق، مشاہدات فی الحال انہی ناموں سے لکھنے چاہئیں۔ شاید مجھے پریشانی سے نجات ملے اور ممکن ہے کہ ان کا تجزیہ کرنے اور ان کے اوصاف کا جائزہ لینے کے بعد کوئی پلاٹ اچانک میرے سامنے آجائے۔

ڈرامے کے کردار

(۱)۔ احمد نصر

ایک سول ملازم، ہر لحاظ سے کامل، روزمرہ کے کاموں میں شاندار عملی تجربہ رکھنے والا۔ خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے والا۔ نوجوان بچی کا باپ، مذہبی ذہن کا مالک۔ مجموعی طور پر ایک نارمل شخص۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ اس ڈرامے کے معیار پر پورا کیسے اترے گا۔ لیکن ایک

اہم سوال ہے: وہ حقہ کیوں پیتا ہے؟ جنسی سرگرمیوں سے متعلق لوگوں کی گفتگو کو بالائے طاق رکھ کر، کیا کوئی ایسی چیز ہے جس سے وہ راہِ فرار اختیار کر رہا ہے؟ معاملہ کچھ بھی ہو، اسے ایک مختلف اور نئی شخصیت کے طور پر متعارف کرانے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ اس بات کا قائل نہیں کہ صرف اس کی ملازمت اور اس کا خاندان ہی اس کی تمام توانائیاں سلب کر لیں۔ اپنے خیالات کے تسلسل میں وہ یہ تصور کرتا ہے کہ وہ ایک ذمے دار شخص ہے، اسے ان امور کا ذمے دار ہونا چاہیے جو اس کے اردگرد ہوتا ہے۔ چند عقائد کا حامل ہونے کی وجہ سے وہ محفل کے تمام افراد میں سب سے متوازن شخصیت کا مالک ہے۔ اس کے باوجود یا شاید ان عقائد کی وجہ سے وہ زندگی میں کسی اہمیت کا حامل نہیں۔ لہٰذا ہم اس کی دلچسپیوں کی وجہ اس کے چھوٹے مسائل کو قرار دے سکتے ہیں۔ جیسے تمباکو نوشی کو۔ اس احساس حماقت سے راہِ فرار کا نام دے سکتے ہیں جو اسے کاٹتا رہتا ہے۔ وہ لاشعوری طور پر اس ''دکھ'' کو جاری رکھے گا۔ جبکہ باہر وہ ایک چست شخص، ایک ایمان رکھنے والے، تیز اور پرسکون شخص کی حیثیت سے کام کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ہیروئن اسے اس کا اصلی روپ، اس کی ہیروئن سے محبت کی صورت میں دکھائے گی۔

(۲)۔ مصطفیٰ رشید

ایک قانون دان۔ اس ڈرامے میں اسے بالکل ایسا ہی پیش کرنے میں کوئی عار نہیں، تاکہ اس کے استدلال کے جوہر کی توجیہہ ہو سکے۔ انتہائی دلکش اور منہ پھٹ۔ اُس خاتون سے شادی ہوئی جسے وہ نہیں چاہتا۔ شاید اس میں عدم دلچسپی کی وجہ اس خاتون کی تنخواہ ہے۔ اگرچہ وہ کسی مثالی خاتون کی تلاش میں ہے تاہم وہ کشتی گھر پر شہوانی روابط کے پیچھے مارا مارا نہیں پھرتا۔ ایک عجیب شخص جو غالباً کسی گہرے انداز کا ملجا ہے۔ شاید یہ نشہ ہی ہے۔ وہ اپنے روحانی کھوکھلے پن سے آشنا ہے، اس حقے اور ''انتہا'' میں تسکین پاتا ہے۔ لیکن بظاہر وہ اس دغا سے واقف نہیں جو اس نے خود پر روا رکھا ہے۔ وہ محض نشے سے حاصل ہونے والے ''مراقبے'' پر انحصار کرتے ہوئے، بغیر کسی طریقہ کار یا حقیقی کاوش کے، ناممکن کے حصول کی کوشش میں ہے۔ جیسے ''انتہا'' نشے کے بہانے کا نام ہو، لیکن اسے ایسے احساسات فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے حقیقی پھیکے پن سے

بلند ہو گیا ہے۔ سماجی اجتماعات میں مجھے ملنے والے اکثر افراد کی طرح یہ بھی بظاہر نہایت مہذب مگر اندر سے کھوکھلا، ریزہ ریزہ ہوتا ہوا اور اپنی ہی بوسیدگی سے متعفن شخص ہے۔

(۳)۔ علی السید

جامعہ الازہر کا سابق طالب علم۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنی تعلیم قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ آرٹس میں مکمل کی اور انگریزی میں مہارت برلٹز لینگوئج سکول (Berlitz Language School) سے حاصل کی۔ وہ ایک مقابلہ کرنے والا شخص ہے اور اپنے قلیل المیعاد، عملی عزائم سے بخوبی واقف ہے۔ اس کی دو بیویاں ہیں پہلی کا تعلق دیہات سے ہے اور دوسری کا قاہرہ سے، مگر دوسری بھی ایک گھریلو اور روایتی خاتون ہے جو اس کے دقیانوسی رویوں کے لئے باعث تسکین ہے کہ وہ اس کے گھر کا سربراہ ہے، لیکن وہ خنزیرانہ صفات کا مالک ہے جس کا ثبوت ثانیہ کامل سے اس کے عجیب و غریب تعلقات ہیں۔

ایک نقاد کی حیثیت سے وہ انتہائی بے اصول شخص ہے۔ اس کا ذوقِ جمال مادی فوائد کے حصول پر مبنی ہے اور وہ کبھی بھی سچ بولنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ماسوائے اس کے جب قسمت اس کا ساتھ نہ دے، یا کوئی ایسا مسئلہ کہ جب یہ فائدہ کسی مذاق یا سنگین طنز کے روپ میں ہو۔ اپنے بے وقعت، دغاباز، ہیچ اور ناکارہ ہونے کے احساسات کے غالب آنے پر وہ اپنی توجہ حقے اور انسان دوستی کے عجیب و غریب خوابوں کی طرف مبذول کر دیتا ہے جو ایک مہلک قسم کی دھند میں سے گزر کر اس کی بدمست نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ وہ عصر حاضر کی شخصیات میں سے ایک ایسے شخص کی مثال ہے جو عقائد اور اخلاقیات سے عاری، بے مقصد گھوم پھر رہا ہو۔ اگر اسے سراغ کے نہ ملنے کا یقین ہو تو وہ کسی جرم کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرے گا۔

(۴)۔ خالد عزوز

اسے ایک اپارٹمنٹ ورثے میں ملا ہے، جس کی وجہ سے وہ اوسط درجے کی ذہانت رکھنے کے باوجود آسائش کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے حق اور جنس میں راہِ فرار اختیار کی

ہے۔اور اس طرح کے شہوانی ادب میں کہ جس میں غیر اخلاقی اور آزاد جنسی تعلقات بڑے خوفناک قسم کے ہوتے ہیں۔ یہ سمجھنا مشکل ہوگا کہ عقائد کے مفقود ہونے کی وجہ سے اس کی زندگی بگاڑ کا شکار ہوئی یا اسی بگاڑ نے اس کے عقائد کو خراب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس بات کو خارج از امکان قرار نہیں دیتی کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنے روایتی عقیدے پر واپس آجائے گا۔ خصوصاً جب اس کی ''تخلیقی'' صلاحیتیں خشک ہو جائیں گی۔اپنے دوستوں کے برعکس وہ بالکل ہی نکما ہے، وہ معاشرے سے وصول تو کرتا ہے مگر کچھ بھی نہیں لوٹاتا۔ کچھ بھی تو نہیں۔ علاوہ ان کہانیوں کے جس میں ایک بانسری نواز کی بانسری سانپ بن گئی تھی! نہ ہی میں اس بات کو بعید از قیاس سمجھتی ہوں کہ ایک دن وہ ہمیں ''احمقوں کی بالکونی'' سے دیکھ رہا ہوگا۔

(۵)۔رجب القعدی

یہ ڈرامے کی ایک امید ہے۔ اگر اس کا کردار نتیجہ خیز ثابت ہوتا نظر نہ آیا تو میں ڈرامے کا خیال ہی ذہن سے نکال دوں گی۔ علی السید کے بقول، اس کا باپ نائی کا کام کرتا تھا اور اپنے بیٹے کی شہرت کے باوجود اب بھی ثم حمادہ نامی گاؤں میں اپنے پیشے کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ یا تو اپنی انا کی وجہ سے یا اپنے بیٹے کی طرف سے گھٹیا پن کی وجہ سے۔ رجب یکسر مختلف شخص ہے۔ پچاس کے پیٹے میں وفات پا جانے والے دیوتاؤں میں سے ایک۔ اور ایک عشق کے دیوتا کی حیثیت سے وہ بھی اس سختی کے بغیر نہیں جسے محض محبت سے ہی رام کرلیا جاتا ہے۔ دوسروں کی طرح وہ بھی اعتقادات اور اصولوں سے آزاد ہے مگر ان کے برعکس وہ ایک پریشانی اور کھچاؤ کا اظہار کرتا ہے۔ زبردستی کا خوبرو شخص جو اپنی سیاہ آنکھوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کی قوت بے پناہ ہے۔ اس کا حقیقی سکون جنس ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حقے نے اسے زیادہ متاثر نہیں کیا۔ ڈرامے کے لئے اس کے امکانات کی وضاحت ضروری نہیں۔

(۶)۔انیس ذکی

ناکام سول ملازم۔ سابقہ شوہر اور سابقہ باپ۔ دن رات خاموش اور سراسیمہ۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مہذب ہے، اس دنیا میں اگر اس کے پاس کوئی قابل ذکر چیز ہے تو وہ ایک بڑی

لائبریری ہے۔ کبھی کبھار وہ مجھے نیم پاگل یا نیم مردہ لگتا ہے۔ وہ شخص یہ بھول جانے میں کامیاب ہوگیا ہے کہ وہ کس چیز سے راہِ فرار اختیار کر رہا ہے۔ وہ خود کو فراموش کر چکا ہے۔ اس کے مضبوط جسم سے اس کی قوت کے آثار جھلکتے ہیں جس کا وہ کبھی مالک ہوگا۔ وہ اپنے کسی بھی وصف سے متعارف کروایا جا سکتا ہے۔ یا کسی ایک سے بھی نہیں۔ وہ اپنے راز کو افشا نہیں کرتا۔ اس کے بارے میں کسی کو یقین ایسے ہی آ سکتا ہے جیسے کسی خالی کرسی پر یقین آ جاتا ہے۔ وہ مزاحیہ انتفاع کے لئے مفید ہے، مگر ڈرامے میں کوئی مثبت کردار ادا نہیں کرے گا۔

میں نسوانی کرداروں کو دو تک ہی محدود رکھوں گی: ایک ہیروئن، اپنے کردار کی اہمیت کی وجہ سے اور ثناء، ڈرامے میں جذباتیت کی وحدت کو پروان چڑھانے کے لئے۔ اس لئے بھی کہ اس کا عصر حاضر سے تعلق رکھنے والا، عنفوانِ شباب کا کردار ڈرامے میں ایک چاشنی بھر دے گا جو مطالعے کے لئے بھی دلچسپی کا سامان فراہم کرے گا۔ مزید برآں محبت کے میدان میں ہیروئن کی اس پر سبقت کو حماقت پر سنجیدگی کی سبقت اور علامت سمجھا جا سکتا ہے جس پر صرف خواتین ہی غالب ہیں، کیونکہ سنجیدگی کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اگر اس کی جڑیں صنفِ نازک میں نہیں، جو کہ، بہر حال، مستقبل کی ماں ہے۔

اس کے علاوہ ثانیہ کامل کی کوئی ضرورت نہیں کہ جو چند شوئی (۱) کی اپنی خاص ریت پر گامزن ہے، یا اس سنہری بالوں والی مبدّل کنواری خاتون کی، جو خود کو ابتدائی قربانی دینے والی تصور کرتی ہے، جبکہ اصل میں وہ صرف اس نشہ کرنے کی بانی ہے جو بے ربط قسم کے فسق و فجور پر مبنی ہے۔

اس ڈائری میں تحریر یہیں تک تھی...... صرف ایک عنوان تھا: اہم مشاہدات، جسے سطر کے درمیان لکھا تھا اور اس کے بعد جگہ خالی تھی۔ اس نے بعد کے تمام صفحات پلٹ کر دیکھے حتیٰ کہ نوٹ بک ختم ہوگئی' اسے مزید لکھا ہوا کوئی حرف نظر نہ آیا۔ وہ بڑبڑایا، ''چھوٹی......!'' اور وہ نوٹ بک اپنی جیب میں رکھ لی۔ پھر وہ نوٹ بک نکالی، جو کچھ اس کے اپنے بارے میں لکھا تھا،

---

(۱)۔ایک سے زیادہ شوہر ہونا۔

اسے پڑھ کر اپنی جیب میں واپس ڈال لی۔اس نے ہنستے ہوئے کافی کے خالی کپ کی طرف دیکھا۔اس نے سوچا کہ اس وقت تک وہ کسی کام کی نہیں، اس کے لئے خاصا انتظار کرنا پڑے گا۔شاید محفل کے جمنے تک اس کا ذہن درست ہو جائے۔ مسجد سے عم عبدہ کے اذان مغرب دینے کی آواز گونجی۔ ''چھوٹی''، انیس پھر بڑبڑایا۔کشتی گھر کسی کے قدموں کی آہٹ سے ہلا۔ اس نے دروازے کی طرف حیرت سے دیکھا کہ کون ہے جو اتنی تیزی سے آ رہا ہے اور سکرین کے پیچھے سے سمارا نمودار ہوئی۔

(۱۱)

ایک زبردستی کی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے سلام کرتی ہوئی سمارا پہنچی۔ وہ واضح طور پر فکرمند لگ رہی تھی۔

''تم کچھ پریشان لگ رہی ہو''، وہ بولا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کمرے کا چکر لگایا۔

''کیا مسئلہ ہے؟''، انیس نے پھر پوچھا۔

''میری چند ضروری چیزیں گم ہو گئیں''، اس نے جواب دیا۔

''یہاں؟''

''گزشتہ شام وہ میرے پاس تھیں۔''

''وہ کیا چیزیں تھیں؟''

''میرے کام کی ایک نوٹ بک ______ اور کچھ رقم۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ یہیں گم ہوئیں؟''

''مجھے کسی بھی بات کا یقین نہیں۔''

''عم عبدہ یہاں صفائی کرتا ہے اور ایک شخص یہاں سے ردّی وغیرہ اٹھانے آتا ہے۔''

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ ''اگر وہ چوری ہو گئیں''، وہ بولی، ''تو چور نے پورا بیگ کیوں نہیں اٹھایا؟ اس نے صرف نوٹ بک ہی چرا کر پرس کیوں چھوڑ دیا؟''

''ہو سکتا ہے تم نے کہیں گرا دیں ہوں۔''

''کچھ بھی ممکن ہے......''

''کیا ان کا کوئی متبادل نہیں؟''

پیشتر اس کے کہ وہ جواب دیتی، کشتی گھر دوبارہ ہلا، باہر سے آوازیں سنائی دیں۔ بڑی

عجلت میں اس نے منت کی کہ وہ معاملے کو بھول جائے، اور دوبارہ اس کا ذکر نہ کرے، یہ کہہ کر وہ گدے پر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ تمام دوست اکٹھے ہی آئے اور دیکھتے دیکھتے محفل مکمل ہو گئی۔ انیس بڑی سنجیدگی اور لگن سے حقے کے کاموں میں مصروف ہو گیا، وہ ایک اَن جانی قسم کی چوکس حالت میں تھا۔ اس کے اندر موجود مجسم شر نے اسے کینہ پروری پر اکسایا۔ اس نے سمارا پر ایک تیکھی نظر ڈالی۔

مصطفیٰ سمارا سے مخاطب تھا، ''یہ بات تو واضح ہے کہ تم اس لئے جلد آ گئیں کہ انیس کے ساتھ تنہائی میسر آ جائے!''

''اس نے جملہ کسا، ''کیا تمہیں ادراک نہیں؟ یہ چمکدار زرہ بکتر میں ملبوس میرا منصب دار ہے!''

''ہم تو لڑکے ہیں''، احمد نے تبصرہ کیا، ''جبکہ یہ چالیس کے پیٹے میں ایک پختہ آدمی ہے۔''

سکرین والے دروازے سے عم عبدہ بن بلائے اندر آیا اور اطلاعاً کہا، ''امبابا کے مقام پر ایک کشتی گھر ڈوب گیا ہے۔''

وہ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے، ''کیا کوئی جانی نقصان بھی ہوا؟'' احمد نے پوچھا۔

''نہیں ______ مگر کشتی گھر کی تمام اشیاء ضائع ہو گئیں۔''

''ہم اسی بات کی پرواہ کرتے ہیں، اشیاء، نہ کہ افراد!'' خالد نے کہا۔

''بچانے کے لئے پولیس پہنچ گئی''، عم عبدہ نے مزید کہا۔

''فنون لطیفہ کی پولیس کو بھی آنا چاہیے۔''

لیلیٰ نے پوچھا، ''کشتی گھر کیوں ڈوبا؟''

''کشتی گھر کا محافظ غافل تھا''، بوڑھے شخص نے جواب دیا۔

خالد نے کہا، ''شاید خدا اس بات سے ناراض ہو کہ جو اس کے اندر ہوتا تھا۔''

انہوں نے اس کی ہاں میں ہاں بھری اور دوبارہ حقے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب عم

عبدہ واپس چلا گیا تو علی نے کہا کہ مجھے ایک رات خواب آیا کہ میں بھی عم عبدہ جیسا حکیم ہو گیا ہوں۔ انیس نے اپنی روایتی خاموشی ختم کی اور کہا، ''اس کی وجہ یہ ہے کہ تم خوابوں اور نشے میں پناہ تلاش کرتے ہو۔''

''اس کے تبصرے پر قہقہہ بلند ہوا''، لیکن کس چیز سے پناہ تلاش کرتے ہیں، اے ہماری مسرتوں کے آقا؟'' علی نے پوچھا۔

''اپنے ہی کھوکھلے پن سے!'' انیس نے جواب دیا اور جب قہقہہ رُکا اور اس نے گفتگو جاری رکھی، ''تم سب اس دورِ جدید کے بے اصول لوگ ہو، جو نشے اور بے بنیاد فریبوں میں راہ فرار اختیار کرتے ہو......'' پھر اس نے سمارا کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اس کے اندر کے آسیب نے گڑ گڑ کی۔ اس کے بعد بے شمار تبصرے ہوئے۔

''آخر کار وہ بول پڑا۔''

''ایک فلسفی پیدا ہو گیا!''

تمام نگاہیں انیس پر مرکوز تھیں، ''میرے بارے میں کیا خیال ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''تم نشے اور انتہا میں راہِ فرار اختیار کرتے ہو، اپنے ہی بے وقعت ہونے کا احساس تمہارا پیچھا کر رہا ہے۔''

ہنسی کے اس شور میں اسے سمارا کے شامل ہونے کی آواز بھی آئی۔ لیکن وہ اس کی طرف نہیں دیکھتا۔ وہ اس کے اندر کی ہلچل کا تصور کرتا ہے، اس کے چہرے اور احساسات کا تصور۔ اور پھر گفتگو جاری رکھتا ہے: ''ہم سب تلچھٹ ہیں، اخلاقیات سے عاری، ذمے داری کا بھوت ہمارا پیچھا کر رہا ہے......''

رجب بولا، ''آج کی رات کشتی گھر کی تاریخی یادداشت کے طور پر قلم بند کی جائے گی۔'' مصطفیٰ دوبارہ بولا، ''میں شرط لگاتا ہوں کہ آج کی کف (نشہ) ماسکو سے سمگل ہو کر آئی ہے۔!''

اب خالد کی باری تھی، ''اے فلسفی انیس! میرے بارے میں کیا خیال ہے ____ اور لیلیٰ؟''

''تم ذلیل وخوار، بگڑے ہوئے شخص ہو کیونکہ تمہارا کوئی عقیدہ نہیں، یا شاید تمہارا عقیدہ اس لئے نہیں کہ تم فاسق ہو۔ جہاں تک لیلیٰ کا تعلق ہے تو وہ بانی ہے، صرف اور صرف نشہ کرنے کی جو بے ربط قسم کے فسق وفجور پر مبنی ہے اور تم کوئی قربانی دینے والی خاتون بھی نہیں جیسا تم خود کو سمجھتی ہو۔''

''اپنی زبان کو لگام دو''، لیلیٰ چلائی۔

لیکن انیس نے ثانیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''تم ایک سے زیادہ شوہر رکھنے والی نشئی خاتون ہو!''

''تم پاگل ہو گئے ہو!'' ثانیہ چیخی۔

''نہیں، محض نیم پاگل اور نیم مردہ۔''

''تم نے اتنے سخت الفاظ بولنے کی جرأت کیسے کی؟''

علی نے اسے سمجھایا، ''اب تم واقعی غصے میں ہو ثانیہ، یہ ہماری محفل کا روح رواں ہے۔ ''یاد رکھو..... اجنبیوں کے سامنے میرا مذاق نہیں اڑانا چاہیے''، اس نے دندان شکن جواب دیا۔ وہ گرن[illegible] والا ماحول شادمانی پر غالب آتا نظر آیا، تاہم رجب بڑے اعتماد سے بولا، ''یہاں [illegible] نہیں۔ [illegible]مارا ہر طرح ہمارے ساتھ ہے۔''

''وہ ہمارے ساتھ ضرور ہوگی، مگر ہر طرح صرف تمہارے ساتھ!''

''نہیں''، انیس بولا، ''وہ اس شخص کی پرواہ بھی نہیں کرتی جو اپنے کھوکھلے پن سے نکل کر نشے اور جنس کی طرف چلا جائے۔''

رجب نے مسرت بھرے لہجے میں کہا، ''دوستو! ہم یہ کیسی بہترین رات گزار رہے ہیں۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ تم وہی خاموش انیس ہو؟''

''شاید کوئی کتاب 'اگل' رہا ہے۔ مثلاً 'تہذیب کا زوال'۔''

اب بھی میرے اندر ایک بم باقی ہے۔ میں نے اسے ڈائریکٹر جنرل کے لئے بچایا ہوا ہے۔ میرے اندر جو قہقہہ پھٹ رہا ہے اسے ذرا سکون سے بیٹھ لینے دیں تا کہ مجھے چیزیں صاف نظر آئیں۔ یا کشتی گھر کا مستقل لنگر ہٹا دیا گیا ہے؟ بالکونی کے خستہ حال دروازے سے پورا چاند نظر آرہا ہے۔ جہاں تک پروانوں کا تعلق ہے مجھے اب لیمپ سے ان کی مہلک دلکشی سمجھ میں آ گئی ہے۔

''تم اتنی خوش نظر نہیں آرہیں''، رجب سمارا سے مخاطب ہوا۔

وہ ثانیہ کی طرف دیکھے بغیر بولی، مگر اس کے تھکے ماندے لہجے میں اس کا مدعا واضح تھا، ''محفل میں اجنبی اسی طرح ہوتے ہیں،'' اس نے کہا۔

''نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا''، رجب نے کہا، ''ثانیہ ایک شاندار خاتون ہے۔ محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود ایک پیار کرنے والی ماں......''

''شکریہ رجب''، ثانیہ نے بڑے فیض رساں لہجے میں کہا، ''تم اس محفل میں سب سے بہتر ہو کہ بہن سمارا سے میری طرف سے معذرت کر رہے ہو۔''

''امن و آشتی کی گانٹھ کو اتنی مضبوطی سے مت باندھو''، خالد نے کہا، ''کہیں بوریت کا شکار نہ ہو جائے۔''

محض حقے کی آواز ہی سنائی دے رہی تھی۔

چاندنی میں ہلکورے کی آوازیں پھیل گئیں۔ اس کی تیز نبض سے اسے محسوس ہوا کہ اس ہنگامہ خیز رات میں نیند مشکل ہو جائے گی اور اسے محبت کرنے والوں کی، بغیر محبت کے، بے خوابی دیکھنے کو ملے گی۔ اسے محبت کرنے والی دیوانی شاعری سے اشعار یاد آنا شروع ہو گئے۔ محفل برخاست ہو گئی اور اس چاندنی رات میں وہ تنہا رہ گیا۔ اسے ایک گھڑ سوار نظر آیا، اس کا گھوڑا پانی کی سطح سے ذرا بلند، ہوا میں دوڑ رہا تھا، اس نے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ گھڑ سوار نے جواب دیا کہ وہ عمر خیام ہے اور آخر کار وہ موت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے...... پیتل کی ٹرے کے قریب اپنی پھیلی ہوئی ٹانگ کو دیکھ کر وہ چونک گیا۔ لمبی اور مضبوط ٹانگ نیلی روشنی میں

کمزور نظر آ رہی تھی۔اس کے پنجے پر بال تھے اور ناخن بڑھے ہوئے تھے،انہیں تراشے بغیر ہی اس نے کافی عرصہ گزار دیا تھا۔اسے بمشکل یقین آیا کہ وہ اس کی اپنی ٹانگ ہے، اس نے حیرت سے اپنی ٹانگ کو اس طرح دیکھا جیسے وہ کوئی انوکھی چیز ہو......اسے محسوس ہوا کہ مصطفیٰ بول رہا ہے،''تمہارا کیا خیال ہے۔ہم لوگ ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے مسرتوں کے روح رواں نے بیان کیا ہے؟''

اس نے محفل سے پوچھا۔

خالد نے جواب دیا،''یہ کوئی راہِ فرار یا اس سے ملتی جلتی شے نہیں۔ہم وہ سمجھتے جو ہم حقیقت میں ہیں،جیسا کہ ہمیں کرنا چاہیے۔''

''یہ کشتی گھر انسانی تدبر کی آخری پناہ گاہ ہے''،علی نے کہا۔

''کیا خود کو خوابوں میں غرق کرنا بھی راہِ فرار ہے؟''

''آج کے خواب کل کی حقیقتیں ہیں۔''

''کیا انتہا کی تلاش بھی راہِ فرار ہے؟''

''خدارا،اس کے علاوہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

کیا جنسیت بھی راہِ فرار ہے؟''

''یہ بھی تو ایک تخلیق ہے!''

''اور حقے کے بارے میں کیا خیال ہے۔کیا یہ بھی راہِ فرار ہے؟''

''پولیس سے راہِ فرار،اگر آپ چاہیں!''

''یہ زندگی سے راہِ فرار ہے؟''

''یہ خود ایک زندگی ہے!''

''تو پھر مسرتوں کے روح رواں نے ہم پر اس طرح حملہ کیوں کیا؟''

''دس سال اس نے خاموش زندگی گزاری،ذرا سی جنبش کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی،قسمت آزمائی کی تمنا بھی نہیں کی۔''

”دوستو! آج کی رات کتنی شاندار ہے۔“

احمد نے ذرا خاموش رہنے کے لئے کہا تا کہ اس وجد کا لطف دور نہ ہو۔ حقے کے پائپ کا معمول کے مطابق ناقابل تبدیل چکر جاری رہا۔

چاند اب منظر سے ہٹ چکا تھا۔ وہ واحد شخص تھا جس نے سمارا کی نگاہوں میں قابل رحم شکست دیکھی۔ ان کے چہرے زرد تھے اور ان پر غنودگی طاری تھی۔ مصطفیٰ نے سمارا پر ایک مضحکہ خیز نظر ڈالی اور اس تمام صورتِ حال پر اس کی رائے پوچھی، لیکن رجب نے کہا، ”رات کا آخری پہر گفتگو کے لئے نہیں۔“

تو پھر یہ کس کے لئے ہے؟ علی اور ثانیہ کے علاوہ تمام لوگ چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد انیس کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ عم عبدہ اپنا معمول کا کام کرنے آیا اور بغیر بات چیت کئے اپنا کام کر کے چلا گیا۔ انیس رینگتا ہوا بالکونی میں گیا اور ستاروں سے مزین آسمان کے بیچ چاند کو چمکتا دیکھا اور بڑے شناسا سا لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔ ہمارے کشتی گھر جیسی کوئی شے نہیں۔

محبت اب ایک فرسودہ سی چیز ہے، لیکن کشتی گھر پر یہ ایک شغل ہے۔ کونسل اور ادارے جنسی تعلقات کو گناہ قرار دیتے ہیں، لیکن اس کشتی گھر پر یہ ایک آزادی ہے۔ گھریلو خواتین تمام رسوم و رواج، ازدواجی بندھنوں میں بندھی ہیں مگر یہاں خواتین جنسی کشش کی حامل اور سبز باغ دکھانے والی ہیں۔ چاند ایک بے جان اور سرد سیارہ ہے، مگر کشتی گھر میں یہ شاعری ہے، دیوانگی ہر جگہ ایک بیماری ہے لیکن یہاں یہ فلسفہ ہے، کوئی چیز کسی بھی جگہ اہمیت کی حامل ہو لیکن یہاں، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اے پرانے دانا و حکیم ابور! اپنی زندگی ہمارے زمانے کے لئے وقف کر دو، جس میں شاعری کے علاوہ ہر چیز فنا ہو گئی!“ آؤ اور ہمارے لئے گنگناؤ۔ آؤ اور بتاؤ کہ تم نے فرعون کے سامنے کیا کہا۔ اور وہ دانا شخص بولا:

تمہارے ہم پیالہ لوگوں نے تم سے جھوٹ بولا

یہ ماہ و سال دکھ درد، جنگ و جدل سے بھرپور ہیں

اور میں نے کہا: دوبارہ سناؤ، اے دانا و عارف! اور اس نے گنگنایا؟

"یہ کیا ہے جو مصر میں ہو رہا ہے؟۔
دریائے نیل میں اب بھی سیلاب آتا ہے
جو کنگال تھے اب رئیس ہو گئے ہیں
کاش میں اپنی آواز پہلے بلند کرتا
اے عارف! تم نے اور کیا کہا تھا؟
تمہارے پاس دانائی ہے، تصورات ہیں، اور انصاف ہے
لیکن بدعنوانی تمہاری سرزمین کو گھن کی طرح کھا رہی ہے
غور کرو تمہارے احکامات کتنی حقارت سے روک دیئے جائیں گے
کیا تم احکامات کا سلسلہ جاری رکھو گے تاوقتیکہ وہ آ جائے جو تمہیں سچ بتائے؟"

(۱۲)

کسی کی دھیمی آواز میں اپنا نام سن کر وہ بیدار ہو گیا۔

اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور خود کو بالکونی میں لیٹا پایا۔ آسمان پر نوری ہالے میں چاند ظاہر ہو رہا تھا۔ جواب اس کی نظروں سے اوجھل تھے۔ وہ خود کہاں تھے اور کیا وقت تھا۔

''انیس!''

اس نے اپنا رُخ موڑا اور سمارا کو بالکونی کی ڈیوڑھی پر کھڑا دیکھا۔ وہ اپنی کہنیوں پر اٹھ کر اسے دیکھنے لگا، وہ ابھی اپنے خوابوں کے خمار سے مکمل طور پر باہر نہیں آیا تھا۔

''میں معذرت خواہ ہوں کہ نامناسب وقت واپس آ گئی۔''

''کیا اب تک وہی رات باقی ہے؟''

''تمام لوگوں کو یہاں سے گئے ابھی ایک گھنٹہ ہی ہوا ہے، میں انتہائی معذرت خواہ ہوں۔''

وہ گھسٹ کر بالکونی میں لگے راڈ تک گیا اور اس پر جھک کر یاد کرنے کی کوشش کی۔

وہ بولی، ''مجھے رجب نے تحریر سکوائر چھوڑ دیا تھا اور میں وہاں سے واپس آئی ہوں۔''

''ہاں مجھے یقین ہے کہ ایک گھنٹہ ہی ہوا ہے، اگر تم قیام کرنا مناسب سمجھو تو میرے کمرے میں چلی جاؤ۔''

لیکن اس نے احتجاجی لہجے میں کہا: ''تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں سونے کی غرض سے واپس نہیں آئی''۔ پھر اس نے نگاہیں نیچی کیں اور آہستگی سے کہا، ''مجھے میری ڈائری چاہیے۔''

''تمہاری ڈائری!'' اس نے تیوری چڑھا کر کہا۔

''اگر تم مہربانی کرو تو۔''

بغض وعناد کے جذبات اس پر غالب آئے، ''تم مجھ پر چوری کا الزام لگا رہی ہو'' اس

نے احتجاج کیا۔

''نہیں میں یہ نہیں کہہ رہی! ہوسکتا ہے تمہیں کہیں سے مل گئی ہو۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ میں نے چوری کی۔''

''مہربانی کرو اور مجھے واپس کردو۔ یہ باتیں کرنے کا وقت نہیں!''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی!''

''مجھے مزید الزامات نہیں سننے۔''

''میں تم پر کوئی الزام نہیں لگا رہی۔ مجھے وہ ڈائری واپس کردو جو یہاں گم ہوئی تھی۔''

''مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے۔''

''میں نے تمہیں وہ الفاظ دوہراتے سنا جو اس میں لکھے تھے!''

''میں سمجھا نہیں۔''

''تم بہت اچھی طرح سمجھتے ہو، ہر چیز سمجھتے ہو، مجھے تنگ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔''

''لوگوں کو تنگ کرنا میرا مشغلہ نہیں۔''

''رات ختم ہونے والی ہے۔''

''اگر تم گھر دیر سے پہنچی تو کیا امی تم سے خفا ہوں گی؟'' انیس نے اسے کچوکا لگایا۔

''برائے مہربانی صرف ایک لمحے کے لئے ہی سنجیدہ ہوجاؤ۔''

''لیکن ہمیں تو اس لفظ کا مطلب ہی نہیں معلوم۔''

''کیا تم اس (ڈائری) سے متعلق ہر کسی کو بتانے کا ارادہ رکھتے ہو؟'' اس نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔

''مجھے اس سے کیا غرض میں تو اس سے متعلق کچھ جانتا ہی نہیں؟''

''پلیز! اچھے انسان بنو۔ مجھے معلوم ہے تم واقعی ایسے ہو۔''

''میں اچھا نہیں ہوں۔ میں تو نیم پاگل اور نیم مردہ ہوں۔''

''ڈائری میں جو کچھ بھی لکھا ہے۔ یہ میرا نظریہ نہیں۔ محض خیالات کا ایک خلاصہ ہے، میں ایک ڈرامے کی تیاری کر رہی ہوں......''

''ہم پھر سے پہیلیوں اور الزامات کی دنیا میں واپس آ گئے ہیں۔''

''مجھے اب بھی امید ہے کہ تم بڑے اخلاق سے پیش آؤ گے۔''

''تم یہ بتاؤ تم نے ایسا کیوں سوچا؟'' اس نے جاننا چاہا۔

''تم نے لفظ بہ لفظ میرے لکھے ہوئے الفاظ دُہرائے!''

''کیا تم اتفاقات پر یقین نہیں رکھتیں؟''

''مجھے یقین ہے کہ تم میری ڈائری واپس کر دو گے!''

''اس طرح تم اس چیز کو دنوں میں سمجھنے میں کامیاب ہو جاؤ گے جسے میں سالوں میں نہیں سمجھ سکا''، اور اس کی ہنسی دریائے نیل کے اوپر خلاء کے سکوت میں گونجی۔ پھر اس نے ایک نئے لہجے میں کہا، ''یقین کرو، تمہارے مشاہدات احمقانہ ہیں۔''

''لہٰذا تم نے قبول کر لیا!'' وہ اطمینان بھرے لہجے میں پکاری۔

''میں ڈائری تمہیں واپس کر دوں گا، مگر یہ تمہارے کسی کام کی نہیں۔''

''چند بنیادی سوالات سے بڑھ کر اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ ابھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچے۔''

''لیکن تم ایک...... فضول لڑکی ہو۔''

''خدا تمہیں معاف کرے......''

''تم دوستی کی غرض سے نہیں بلکہ ٹوہ لگانے آئیں تھیں۔''

''میرے بارے میں اتنی غلط رائے قائم مت کرو''، اس نے احتجاجاً کہا، ''میں واقعی تم سب کو پسند کرتی ہوں اور تمہاری دوست بننا چاہتی ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اس بات پر بھی یقین رکھتی ہوں کہ ہر فرد کے اندر ایک ہیرو پنہاں ہے۔ میں تو لوگوں سے متعلق جاننے کے لئے صرف اس حد تک دلچسپی نہیں رکھتی تھی کہ تمہاری شخصیات کو ڈرامے میں استعمال کروں۔''

''بہانے بنانے کی زحمت نہ کرو۔ مجھے حقیقتاً اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔''

اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، ڈائری اس کے ہاتھ میں موجود تھی۔

''جہاں تک پچاس پیاسٹر (Piasters) کا تعلق ہے، اس کے لئے میں تمہارا مقروض ہوں۔''

اس نے حیرت سے پوچھا ''لیکن کیسے؟...... میرا مطلب ہے......''

''میں نے پیسے کس طرح چرائے؟ یہ انتہائی سادہ مسئلہ ہے۔ اس کشتی گھر میں اگر ہمیں کوئی چیز مل جائے تو ہم اسے عوامی ملکیت سمجھتے ہیں۔''

''برائے مہربانی۔ میری تسلی کے لئے ذرا تفصیل سے بتاؤ۔''

اس نے ہنستے ہوئے کہا، ''اسے دیکھ کر میں رُک نہیں پایا!''

''کیا تمہیں پیسوں کی ضرورت تھی؟''

''یقیناً نہیں، میں اتنا بھی غریب نہیں۔''

''تو پھر تم نے یہ پیسے کیوں لئے؟''

''میں نے یہ محسوس کیا کہ ان پیسوں کو اس طرح خرچ کرنے سے، کہ جیسے میں نے کیئے، میں تمہارے قریب آسکوں گا۔''

''یقین کرو، مجھے یہ بات بالکل بھی سمجھ نہیں آئی۔''

''اور نہ ہی مجھے۔''

''لیکن اب میں اپنے پورے پلان کے بارے میں شک کرنے لگی ہوں......''

''بہتر ہے کہ تم کوئی بھی پلان تیار مت کرو''، وہ مسکرائی، ''ماسوائے اس کے جو تمہیں تمہارے مقصود کی طرف لے جائے!'' وہ بولتا رہا اور سمارا پھر مسکرا دی۔ اس نے مزید کہا، ''میں تمہیں سمجھتا ہوں جیسے یہاں کے تمام افراد تمہیں سمجھ چکے ہیں۔''

وہ جانا چاہ رہی تھی، لیکن جب وہ بولا تو وہ مبہوت کھڑی ہوگئی۔

''تم یہاں صرف رجب کی وجہ سے ہو''، اس نے کہا۔ وہ بڑی حقارت سے ہنسی، لیکن اس نے بیڈروم کی طرف اشارہ کیا''، خبردار، محبت کرنے والے نہ جاگ جائیں۔''

''میں ویسی لڑکی نہیں جیسی تم سمجھتے ہو! میں وہ لڑکی ہوں جو......''

وہ خلل انداز ہوتے ہوئے بولا، ''اگر تم واقعی 'لڑکی' ہو تو میرے کمرے میں آؤ اور ثابت کرو!''

''تم بہت اچھے ہو۔ لیکن تم میری پرواہ نہیں کرو گے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ اگر لڑکی سنجیدہ ہو تو اب تک اس کے لئے بہت کچھ ہو چکا۔''

''لیکن میں ہمیشہ سنجیدہ لڑکیوں کو ہی بلاتا ہوں!''

''واقعی؟''

''سڑک والی (۱) تمام لڑکیاں سنجیدہ ہی ہوتی ہیں۔''

''خدا تم پر رحم کرے!''

''انہیں نہیں معلوم حماقت کیا ہے۔ وہ صبح ہونے تک کام کرتی ہیں، اور ان کے کام میں کوئی تفریح اور لطف نہیں ہوتا۔ لیکن ان کی سوچ ترقی پر مبنی ہے۔ بہتر زندگی گزارنا!''

''تف ہو تم سب پر! تم میں سے کوئی بھی سنجیدگی اور بیہودگی میں فرق نہیں بتا سکتا!''

''سنجیدگی اور بے ہودگی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔''

اس نے سرد آہ بھری، جو واضح طور پر جانے کا اشارہ تھا، پھر ہچکچاتے ہوئے پوچھا، ''کیا تم ڈائری سے متعلق دوسروں کو بھی بتاؤ گے؟''

''اگر میرا یہ ارادہ ہوتا تو اب تک ایسا کر چکا ہوتا۔''

''تمہیں تمہارے پیاروں کا واسطہ، مجھے صحیح بتاؤ تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

''میرے ذہن میں۔''

''نکال دیئے جانے کی بجائے میں غائب ہونا پسند کروں گی۔''

''میں نہیں چاہتا کہ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی بھی وقوع پذیر ہو۔''

انہوں نے ہاتھ ملائے، ''شکریہ!'' سمارا نے کسی دیرینہ دوست کی طرح کہا۔

جونہی وہ تیزی سے باہر جانے لگی، عم عبدہ کی آواز گونجی، وہ اذان فجر دے رہا تھا۔

---

(۱)۔ کسبی عورتیں

(۱۳)

کسی کے قدموں کی آہٹ سے کشتی گھر ہلا۔ چونکہ محفل مکمل تھی، لہٰذا وہ سب حیران ہوئے کہ کون ہوسکتا ہے، انہوں نے دروازے کی طرف بے تابی سے دیکھا۔ احمد کھڑا ہوا تا کہ آنے والے کو دروازے پر ہی روک سکے، لیکن ایک شناسا ہنسی سنائی دی، پھر ثناء کی آواز آئی: ''ہیلو''، وہ اندر آ گئی، اس نے ایک خوش لباس نوجوان کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ رجب نے اسے خوش آمدید کہا: ''شام بخیر، رؤف!'' اور اسے دیگر افراد سے متعارف کروایا، ''یہ مشہور فلم اداکار ہیں......''

بڑے رسمی اور سرد مہر سے الفاظ کے تبادلے کے بعد وہ جوڑا بیٹھ گیا۔

ثناء نے معمول سے ذرا بلند آواز میں کہا: ''پہلے اس نے مجھے بہت تنگ کیا بالآخر آنے کے لئے تیار ہو گیا! اس کا موقف تھا: ''ہم ان کی نجی محفل میں کس طرح مداخلت کر سکتے ہیں؟'' لیکن یہ میرا منگیتر ہے، اور تم سب میرا خاندان''۔

اس نے پوری محفل سے مبارک باد وصول کی اور گفتگو جاری رکھی: ''اور تمہاری طرح یہ بھی ان میں سے ایک ہے!'' اس نے حقے کی طرف اشارہ کیا اور ہنس پڑی۔ ثناء کی سانسوں میں ''پینے'' کی بو تھی۔ انیس کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی، اس نے بڑے پر جوش انداز میں حقے کا پائپ گھومانا شروع کر دیا۔ ثناء پھر بولی، ''رؤف کیا تم خوش قسمت نہیں، یہاں مشہور نقاد علی السید اور مشہور مصنفہ سمارا بہجت موجود ہیں، یہ پائپ بڑے حیران کن ہم بستر بناتا ہے!''

''لیکن بدقسمتی سے سمارا اس میں شرکت نہیں کرتی''، رجب بولا۔

''تو پھر وہ یہاں تسلسل کے ساتھ کیوں آتی ہے!'' ثناء نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔ رؤف نے اس کے کان میں سرگوشی کی، الفاظ کسی کو سنائی نہ دیئے، وہ کھسیانی ہنسی ہنس پڑی۔ پھر عم عبدہ حقے کا پانی تبدیل کرنے کی غرض سے اندر آیا اور جب وہ چلا گیا تو ثناء رؤف سے مخاطب ہوئی: ''کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ اتنا بڑا گوشت کا پہاڑ صرف ایک آدمی ہے''؟ وہ پھر ہنسی، مگر اس مرتبہ صرف اکیلی۔ اس کے بعد بالکل خاموشی چھا گئی جو پون گھنٹے تک برقرار

رہی۔ بالآخر رؤف نے اسے واپس جانے پر آمادہ کرلیا، ثناء کا ہاتھ تھامے، وہ کھڑا ہو گیا، ''میں معذرت خواہ ہوں۔ ہم اب چلیں گے۔ ہمیں فوری کسی سے ملنا ہے۔ میں آپ سب لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوا......''

رجب دروازے تک ان کے ساتھ آیا اور پھر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ حقے کا پائپ گھومنے کے باوجود وہ سب اداس ہی رہے۔ رجب سمارا کو چھیڑنے کی غرض سے، اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا، لیکن اس نے ثناء کے حقارت بھرے جملے کے ردِّعمل کے طور پر، پائپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صرف اتنا کہا ''میں جو کچھ بھی کہتی ہوں، میری بات کا کوئی یقین نہیں کرتا۔''

لیلیٰ نے کہا، ''لوگوں کے اس طرح کہنے سے تمہاری شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''صرف اس وقت جب وہ لوگ میرے دشمن ہوں۔''

رجب نے بڑی سادگی سے کہا، ''بورژوائی طبقے کی جمہود زدہ باقیات کے علاوہ تمہارا کوئی دشمن نہیں۔''

لیکن اس نے اپنے صحافی ساتھیوں میں پھیل جانے والی افواہوں کا ذکر کیا اور اس نے ''المنیال'' میں واقع اپنے فلیٹ کا بھی تذکرہ کیا جہاں اس کے دیر سے گھر لوٹنے پر اس کے ہمسائے چہ میگوئیاں کرنے لگے تھے ''اور جب میری ماں نے انہیں بتایا: 'اپنی ملازمت کی وجہ سے وہ دیر سے گھر لوٹتی ہے' تو ان لوگوں نے کہا: ''ٹھیک ہے، کون سی چیز اسے اپنی ملازمت برقرار رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔''

''لیکن آج کل تم قصر عینی روڈ پر رہتی ہو''، رجب نے کہا۔ مصطفیٰ نے کوشش کی کہ انیس کو جوش دلائے، گزشتہ روز کے ''لاوے'' کو دوہرانے سے شاید اداسی ختم ہو جائے، لیکن انیس اپنی دنیا میں گم ہی رہا۔ وہ ان خیالات کے تسلسل کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اسے ہر روز گھیرتے ہیں، سورج اور چاند کا طلوع و غروب ہونا، وزارت جانا اور واپس آنا، دوستوں کا اکٹھے ہونا اور چلے جانا، بیدار رہنا اور سونا۔ وہ دائرے جو اسے انتہا یاد دلاتے ہیں اور کسی شے کو لاشئے میں بدل دیتے ہیں۔ باپ دادا انقلابات سے گزرے اور زمین بڑے اطمینان سے اس

انتظار میں رہی کہ جب ان کی خوشیاں اور امیدیں اسی مٹی کو زرخیز کریں۔ کیا ہوا اگر جذبات آگ کی نذر ہو گئے، دھوئیں کے بادلوں میں تبدیل ہو گئے اور کسی گمنام، ممنوعہ جادوئی مشک سے داغدار ہو گئے......

جہاں تک لیلیٰ کا تعلق ہے اس نے ایک بے سود قسم کی محبت کر کے خود کو اذیت پہنچائی، جیسے ایک خلائی جہاز جو اپنے مدار سے نکل کر خلاء میں بلند سے بلند تر ہو جاتا ہے۔ جنسیت کے دیوتا نے اپنی ٹانگ پھیلائی حتیٰ کہ اس کا سفید جوتا پیتل کی ٹرے تک چلا گیا، پھر وہ اس خوبرو اور اُکتا دینے والی خاتون کی طرف گھورا، اس کی سیاہ آنکھیں اندر ہی اندر جھلسیں۔ ثناء اور اس کے منگیتر سے متعلق بہت کچھ کہا گیا، لیکن رجب نے اس گفتگو میں حصہ نہیں لیا۔ جب دوستوں نے انیس کی مکمل توجہ سمارا کی طرف مبذول دیکھی تو رشید بولا: ''ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ اپنے عہد میں عظیم تر جذبے کی کہانی دیکھ رہے ہیں۔''

''چلو اسے اس کے اصل نام سے پکاریں''، خالد نے کہا۔

''ہمارے خواب کو تہس نہس مت کریں!'' احمد نے دلیل پیش کی۔

لیلیٰ بولی، ''اس میں نئی بات کیا ہے، کیا ایک فریق سنجیدہ شخص ہے؟''

''بڑا مُسہل، اس کی بے اثری کو پاک کرنے والا۔''

''اور اگر اس کی بے اثری اس کا ناقابلِ تردید سرمایہ ہو تو؟''

''بالآخر محبت ہی کی جیت ہونی چاہیے!'' رجب نے کہا، اور سمارا ان سب پر ہنس دی۔

خالد نے کہا، ''ایک سنجیدہ لڑکی کا محبت میں گرفتار ہونا میرے لئے دلچسپی کا باعث ہے۔ ایک وزیر کی لغزش کسی کرتب سے بھی بڑھ کر تفریح کا باعث ہوتی ہے۔''

''اگر بات محبت کی ہو تو ایک سنجیدہ اور ایک بے ہودہ خاتون میں کوئی فرق نہیں''، علی نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا، ''سنجیدگی بھی عوامی معاملت میں عملی طور پر ایک غرض کا نام ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ذاتی معاملات میں۔''

خالد نے سمارا کو آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا، ''تمہارے خیال میں ان دونوں

معاملات میں سے اب اس کا کس سے تعلق ہے؟'' اس پر ہر شخص ہنس دیا، اس نے گفتگو جاری رکھی، کیا اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ عام معاملات میں دلچسپی ظاہر کرے؟''

''اب اس کی تمام امیدیں نسل نو پر مرکوز ہیں!''

خالد نے رجب کی طرف دیکھا اور کہا، ''چالیس کے پیٹے کی نسل محبت کے علاوہ کسی اور چیز کے لئے درست نہیں۔''

''ایسا ہے مگر اس صورت میں جب یہ نسل محبت میں کسی کام کی ہو!''

''نئی نسل ہم سے بہتر ہے''، احمد نے کہا۔

''تو پھر ہماری تبدیلی کی آواز امید نہیں؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔ ''ہم لوگ عموماً فلموں اور ڈراموں ہی میں تبدیل ہوتے ہیں، اور یہی ہماری کمزوری ہے''، خالد نے اپنی رائے پیش کی۔

''ہم پر ہونے والا طنز ہی ہمیں ہمارا اصل روپ دکھاتا ہے''، علی نے کہا۔

''تو پھر تم نے اس بات کو کبھی اپنے مضامین میں کیوں قبول نہیں کیا؟''

علی نے جواب دیا، ''کیونکہ میں ایک منافق ہوں، اور میں نے دیگر ممالک کے طربیہ کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک ہماری دھرتی کے نقطۂ نظر کا تعلق ہے، تو اس کا اختتام، بڑے تبلیغی انداز میں، کردار کے اچانک لچھے دار بن جانے کی صورت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طربیہ کا تیسرا ایکٹ ہمیشہ کمزور ترین ہوتا ہے جسے سنسر کے لئے لکھا جاتا ہے۔''

خالد نے سمارا کا رُخ کیا، ''اگر تم کسی ایسے ڈرامے کی تیاری میں مصروف ہو جو ہم جیسے لوگوں سے متعلق ہے تو ایک ہم عصر لکھاری کی حیثیت سے میرا مشورہ ہے کہ تم طربیہ طرز اختیار کرو۔ میرا مطلب ہے تمثیل نگاری یا حماقت پر مبنی کھیل۔ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں''۔

سمارا نے رجب کی ٹکٹکی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا، ''ایسا یقین غور طلب ہے۔''

''روایتی قسم کے ہیرو سے اجتناب کرو جو نہ تو مسکراتا ہے، نہ بولتا ہے، ماسوائے اعلیٰ خیالات کے، لوگوں کو نصیحت کرتا ہے، سنجیدگی سے محبت کرتا ہے، قربانی دیتا ہے، نعرے بلند کرتا

ہے اور بالآخر سامعین کے لئے، ناگواری کی وجہ سے، بوجھل بن جاتا ہے۔''

''میں تمہاری نصیحت پر عمل کروں گی''، سمارا نے کہا، ''اور ان لوگوں پر لکھوں گی جو خوشگوار ہونے کی وجہ سے سامعین پر بوجھل بن جاتے ہیں۔''

''لیکن ان کے بھی اپنے فنی مسائل ہیں''، خالد نے گفتگو جاری رکھی، ''وہ بغیر کسی نظریات کے زندہ رہتے ہیں اور فضول سرگرمیوں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، تاکہ وہ اس بات کو بھول جائیں کہ عنقریب وہ راکھ، ہڈیوں، نائٹروجن اور پانی میں تبدیل ہو جائیں گے، اور بیک وقت ان کی روزمرہ زندگی انہیں ناکارہ بنا کر ایک مایوس حکمت عملی ان پر ثبت کرتی ہے۔ جوان کے لئے بے وقت قسم کی سنجیدگی ہے۔ یہ بھی مت بھولو کہ ہمارے گرد غیر انسانی روّیے کسی بھی لمحے تباہی کا موجب بن سکتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ کامیاب اداکاری نہیں کرتے، ان کے کردار نہیں پنپتے، لہٰذا ان لوگوں پر مشتمل ڈرامے کی کامیابی کا تصور تم کیسے کرسکتی ہو؟''

''بات یہی ہے!''

''ایک اور بھی مسئلہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی، ظاہری وضع قطع کے علاوہ، ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔ ان لوگوں میں سے کوئی فرد بھی مکمل شخصیت نہیں، بلکہ ایک ریزہ ریزہ ہوتی عمارت کی طرح منتشر عناصر کا بنا ہے۔ ہم ایک مکان کو تو دوسرے سے ممتاز کرسکتے ہیں مگر ہم دو پتھروں کے ڈھیر، لکڑی، شیشہ، کنکریٹ، گارے، مٹی اور پینٹ میں کیسے فرق واضح کریں گے؟ یہ لوگ جدید مصوری کی طرح سے ہیں، ایک کینوس اور اس جیسا دوسرا۔ لہٰذا تم سٹیج پر اتنے کرداروں کی توجیہہ کیسے پیش کرو گی؟''

''گویا تم مجھے بتا رہے ہو کہ میں لکھنا بند کردوں!''

''قطعی نہیں۔ میں صرف اس طرف اشارہ کر رہا ہوں کہ ''کند ھم جنس باھم جنس پرواز'' جس طرح نیک لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں، اور بد ایک دوسرے کو ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اسی طرح حماقت پر مبنی ڈرامہ احمقوں کے لئے ہوتا ہے۔ علی تم سے کبھی بھی پلاٹ، کردار یا ڈائیلاگ کے نہ ہونے پر استفسار نہیں کرے گا۔ نہ کوئی تمہیں کسی چیز کے معانی پوچھ کر پریشان کرے گا۔

چونکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں، لہٰذا تمہارے بارے میں کھوج لگانے والے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بلکہ تمہارے کام کی تعریف کرنے والے تمہیں مل جائیں گے جو کہیں گے، اور درست کہیں گے، کہ تم نے ایک بے ترتیب ڈرامے میں ایک ایسی دنیا بیان کی ہے جس کی شناخت بھی 'بے ترتیب' ہے......"

"لیکن ہم ایسی دنیا میں نہیں رہتے جس کی شناخت بے ترتیب ہے!"

خالد نے سرد آہ بھری، "تمہارے اور میرے درمیان یہی فرق ہے۔ اب تم رجب کی محبت بھری نظروں کی طرف متوجہ ہو سکتی ہو۔"

یہاں کوئی بھی چیز، یقین کے ساتھ، اپنے مقصد میں کامیابی لئے ہوئے، سامنے نہیں آتی، سوائے حقے کے۔ جلد ہی، ستاروں میں موجود اپنی ساحرانہ قیام گاہ سے نکل کر، کاہلی اتر آئے گی اور زبانیں خاموش ہو جائیں گی۔ رات ہونے سے قبل ہی امرود کے درخت کے نیچے ایک بوسے کی صورت نیا عشق پروان چڑھے گا اور اس سے پہلے زمین لاکھوں سال کے لئے تبدیل ہو گی تاکہ آب نیل پہ اس رات کی محفل کا انعقاد ممکن ہو۔ چاند نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن وہ دروازے کے اوپر چھپکلی کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ چھپکلی بھاگی، رکی اور پھر بھاگی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی کو تلاش کر رہی ہے۔ "یہاں کوئی حرکت کیوں ہو رہی ہے؟" اس نے پوچھا۔

تمام لوگ حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیسی حرکت، ہماری محافل کے روحِ رواں؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

اور وہ اپنا کام جاری رکھتے ہوئے بڑبڑایا، "کوئی بھی حرکت"۔

(۱۴)

سرکاری چھٹی ہونے کی وجہ سے انیس نے سارا دن، مکمل سکون کے ساتھ، بالکونی اور بڑے کمرے میں گزارا۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے عم عبدہ شام کی تیاری کرنے کمرے میں آیا۔ اس نے انیس کو تین چار بار جشن کی مبارک باد دی، یہ سوچ کر کہ اس نے پہلی مرتبہ کسی چیز کی مبارک باد دی ہے انیس نے پوچھا کہ وہ جشن کے بارے میں کیا جانتا ہے۔ عم عبدہ نے جواب دیا کہ آج کے دن آنحضورؐ نے مشرکین (ان پر لعنت بھیجتے ہوئے) کو چھوڑ کر نئی جگہ ہجرت کی تھی۔

''کچھ دیر بعد ہی یہ کمرہ مشرکین سے بھر جائے گا!'' انیس نے کہا۔

اس بوڑھے شخص نے قہقہہ بلند کیا، کہ وہ ایسے جملے کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

''تم نے مذہب میں راہِ فرار تلاش کی''، انیس نے بڑی چالاکی سے کہا۔

''راہِ فرار!'' عم عبدہ نے جواب دیا، ''میں یہاں بہت عرصہ پہلے، ٹرین کی چھت پر سوار ہو کر آیا تھا۔''

''تم کہاں سے آئے تھے!''

''اوہ......''

''اور تم کسی جرم سے راہِ فرار اختیار کئے ہوئے ہو؟''

''خوب......''

وہ واقعی کسی جرم سے فرار اختیار کر کے قاہرہ آیا تھا۔ شاید وہ ۱۹۱۹ء کے انقلاب میں اس شہر میں آ کر بسا تھا۔ چونکہ اسے اب ''یاد'' نہیں، لہٰذا دیگر کسی شخص کو بھی معلوم نہیں۔

''عم عبدہ، کیا تم ایک سنجیدہ شخص ہو''؟ اس نے تنگ کرنے کے انداز میں پوچھا۔

''آہ''!

''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ سمارا ایک نئی پیغمبر ہے؟''

''اللہ تمہیں معاف کرے!''

''اور اس کے پیچھے فوج بھی ہے جو لاشے سے جنگ کرنے اور آگے بڑھنے کے لئے ہے!''

''کہاں بڑھنے کے لئے؟'' اس سادہ عم عبدہ نے پوچھا۔

''جیل یا پاگل خانے''۔

''عم عبدہ مغرب کی نماز کے لئے چلا گیا،'' دریا کے پشتے میں موجود چوہوں کے لئے مجھے بلی کہاں سے دستیاب ہو گی؟'' وہ خود کلامی کرتا ہوا چلا۔

کچھ ہی دیر بعد تمام دوست پہنچ گئے، آج وہ چھٹی منانے کے لئے معمول سے پہلے آ گئے تھے۔ انیس نے اپنا معمول کا کام شروع کر دیا۔ ذرا سی دیر انہوں نے اپنے ذاتی معاملات پر گفتگو کی۔ رجب نے بتایا کہ اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ ایک فلم کے لئے اپنا معاوضہ پانچ ہزار پونڈ لے گا، اور خالد نے اسے، اس انداز سے، عرب سوشلزم سے وفاداری کرنے پر مبارک باد دی۔

رجب ہنس پڑا لیکن کوئی بات نہیں کی۔ اس کی بجائے وہ ثناء سے متعلق گفتگو کرنے لگا، کہ وہ کس طرح پارٹیوں اور سٹوڈیوز میں رؤف کے ساتھ، اس کی منگیتر کی حیثیت سے نظر آ رہی ہے۔ رجب کو یقین تھا کہ یہ رشتہ شادی کی صورت اختتام پذیر نہیں ہو گا۔ لیلیٰ اس بات پر حیران تھی کہ سنجیدہ شخص کی سیٹ کب تک خالی پڑی رہے گی۔

''وہ کل ہی صنعتی زون کے صحافتی دورے سے واپس آئی ہے''، علی نے کہا،'' شاید وہ آج رات یہاں آ جائے۔''

''ہمیں سچ سچ بتاؤ''، خالد نے رجب سے کہا،'' تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟'' رجب مسکرایا۔'' کیا تم ہم لوگوں سے چھپ کر بیچلر اپارٹمنٹ میں ایک دوسرے سے ملتے ہو؟'' خالد نے پھر زور دیا۔

''بالکل نہیں۔ تمہیں مجھ پر یقین کرنا چاہیے! ہمارے درمیان کوئی راز نہیں!''

''ایسی صورت حال میں تمہیں، زندگی میں پہلی بار، شکست تسلیم کرنی چاہیے۔''

یقیناً نہیں، میں اب بھی تم پر' حملہ آور' نہیں ہو رہا، لہٰذا میں اپنی پاکیزہ محبت کی یادوں کو دوہرا سکتا ہوں!''

''اس کا مطلب ہے محبت کا وجود ہے؟''

''یقیناً''

''تمہاری طرف سے بھی؟''

اس نے پائپ کا ایک لمبا کش لیا اور بڑے پرسکون سے انداز میں اسے باہر نکال دیا۔

بالآخر وہ بولا، ''میں محبت سے مستثنیٰ نہیں۔''

''رجب کی طرح کی محبت؟'' ثانیہ نے پوچھا۔

''ہاں، مگر ایک نئی صورت میں۔''

''اس کا مطلب ہے یہ واقعی کچھ بھی نہیں۔''

''انتظار کرو اور دیکھو۔''

''وہ واقعی بہت خوبصورت ہے'' احمد نے کہا۔

''اور اس کی شخصیت بھی مضبوط ہے''، علی نے کہا۔

''جو خواتین میں موجود بڑی ناگوار سی خصوصیت ہے''، ثانیہ بولی، جس پر لیلیٰ نے اس کی طرف ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، اور اس نے تصحیح کی: ''ہاں، کبھی کبھار ایسا ہو سکتا ہے۔''

''کسی فوجی چھاؤنی کو تسخیر کرنا جتنا زیادہ مشکل ہو، اس کو فتح کرنے والے بھی اتنے عظیم کہلاتے ہیں''، رجب نے کہا۔

لیکن ایٹم بم کے سامنے فوجی چھاؤنیوں یا فاتحین کی کوئی اہمیت نہیں'' لیلیٰ نے کہا۔

''اس نے شادی کی ایک شاندار آفر سے منہ موڑا ہے''، احمد نے کہا، ''یہ بھی قابل ستائش ہے۔''

''کسی معاملے کے بارے میں پہلے ہی سے رائے قائم مت کرو!'' ثانیہ بولی۔ پھر وہ رجب سے مخاطب ہوئی، ''کیا اس نے شادی کا خیال بھی ظاہر نہیں کیا؟''

''کبھی کبھار شادی بغیر خیال ظاہر کئے بھی ہو جاتی ہے، جیسے موت''، اس نے برجستہ جواب دیا۔

''مجھے صحیح بتاؤ کیا تم شادی کے بارے میں سنجیدہ ہو؟''

''وہ کچھ دیر خاموش رہا اور کہا ''نہیں''۔ اس کی ہچکچاہٹ کا ہر کسی پر گہرا اثر ہوا۔ میں حقے کا چلم بالکونی میں رکھ کر کہیں خود آگے کا جشن مناؤں! اس کا شعلہ، کسی ناپید ستارے کی طرح، لافانی ہے۔ خواتین گرد کی طرح سے ہیں، جن کی پہچان ان کی خوشبو سے نہیں بلکہ اس انداز سے ہوتی ہے جس سے وہ سرائیت کرتی ہیں اور جم جاتی ہیں۔ قلوپطرہ نے، اپنی تمام تر آشنائی کے باوجود، اپنی محبت کا راز افشا نہیں کیا تھا۔ عورت کی محبت ایک سیاسی تھیٹر کی طرح ہے، اس کے مقصد کے اعلیٰ وارفع ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن آپ اس کی صحت کے بارے میں حیران ہی رہتے ہیں۔ اس کشتی گھر سے چوہوں، لال بیگوں اور چھپکلیوں سے زیادہ مفاد کوئی نہیں اُٹھا سکتا۔ غم واندوہ کے علاوہ کوئی بھی غیر اعلانیہ چیز آپ کے گھر سے نکل نہیں سکتی۔ اور کل ''صبح'' نے طلوع ہو کر مجھے مخاطب کر کے کہا کہ حقیقتاً اس کا کوئی نام نہیں۔ وہ انہیں گھر کے پکے ہوئے گوشت، روسی مچھلی، کرنسی اور بقایا جات کی ادائیگی پر گفتگو کرتے ہوئے سن رہا تھا۔ وہ قہقہے لگا رہے تھے کہ کشتی گھر، کسی کی آمد سے ہلا۔ خاموشی چھا گئی۔ ''دلہن آ گئی!'' ثانیہ بڑبڑائی۔

سمارا بڑی خوش باش، ٹہلتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور اس نے جشن کی مبارک باد دیتے ہوئے سب سے ہاتھ ملائے۔ اس سے ٹرپ کے بارے میں پوچھا گیا اور اس نے جواب دیا کہ ٹرپ شاندار رہے گا اور ان سب کو جانا چاہیے تاکہ وہ تر و تازہ ہو کر نئی ڈگر پر آ سکیں۔ خالد کی آنکھوں سے حیرت ٹپکی، پھر با آواز بلند کہا: ''کیا تم سوچتے ہو کہ ہم سب نئی ڈگر پر آ سکتے ہیں۔''

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

''یہ تمہاری غلطی ہے''! مصطفیٰ نے کہا، ''تم اپنی سنجیدگی اور جذبات کا راز افشا کرنے میں

ناکام رہے ہو!''

''میں اس شکنجے میں گرفتار نہیں ہوں گا!''

''یہ بات عیاں ہے کہ تم، ہماری ہی طرح، پرانے عقائد کی مالک ہو۔ اور اسی طبقے سے تعلق رکھتی ہو جو گہرائی کی طرف پھسل رہا ہے۔ لہٰذا اس تناظر میں یہ کیسے ممکن ہے کہ تم زندگی کے معانی سمجھ سکو؟ کیا تم ہمیں بتاؤ گی کہ یہ کیا ہیں؟''

اس نے ایک لمحہ انتظار کیا اور پھر کہا ''زندگی اہمیت کی حامل ہے نہ اس کے معانی۔ لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ فطری طور پر زندگی آگے دھکیل رہی ہے اور ان حدود میں، ہم اسے شاندار طریقے سے گزارتے ہیں''۔

''نہیں!''

''ہم نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا''

وہ اس کی گفتگو میں مخل ہوئی۔ ''ہم میں سے کچھ لوگوں کی، فطری طور پر، مرنے کی خواہش ہوتی ہے، تم بہتر جانتے ہو!''

''اور اس کا حل؟''

''اپنے خول سے باہر نکلنا''

''بات درست ہے، مگر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں''۔

''زندگی منطق سے بالا ہے''۔

اس موقعے پر رجب نے کہا: ''خبردار ____ تم دوبارہ شکنجے میں آ رہی ہو!''

عم عبدہ حقے کا پانی تبدیل کرنے آیا۔ علی نے کف (نشے) کے شاندار معیار پر اسے مبارک باد دی۔ ''کل مجھے ڈیلر نے ایک مہینے کا سٹاک خریدنے کا مشورہ دیا۔ اس کے بقول پولیس اس کی نگرانی کر رہی ہے'' عم عبدہ نے کہا

''یہ محض ہمیں لوٹنے کا بہانہ ہے، اس کی طرف توجہ مت دو۔''

''عم عبدہ، کیا تم پولیس سے خوفزدہ نہیں؟'' سمارا نے پوچھا۔

''مصطفیٰ نے اس کی جگہ جواب دیا،'' یہ اتنے عرصے سے اس کام میں مصروف ہے کہ اب یہ قانون سے بالا ہے۔''

اُفق پر ایک ستارہ بڑی متانت سے مسکرایا۔انیس نے اس سے پولیس کے بارے میں پوچھا، کیا وہ اس ڈیلر کی نگرانی کرر ہے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ وہ چوکنا لوگوں کی نگرانی کرتے ہیں نہ کہ مخمور لوگوں کی، زمین پر پہنچتے ہی وہ ستارے چمکے، اور خلاء میں ابھرتے ہی مدھم پڑ گئے، اور کچھ ستارے جن کی روشنی سے آسمان مزین تھا، ان کا وجود پردے میں چلا گیا، وہ قوت جو عدم وجود بناتی ہے وہ اس سے زیادہ ہے جو آپ کا وجود تشکیل دیتی ہے۔ایک دمدار ستارہ اچانک نیچے گرا، وہ اتنا قریب تھا کہ اس کے خیال میں وہ، کشتی گھر کے ساتھ، دریا کے کنارے گُلِ بنفشا پر گرا۔

''میرے علاوہ تمام محکمے کے ملازمین کو اس جشن کا بونس ملا''

احمد نصر نے ڈائریکٹر جنرل پر لعن طعن کی۔

''میں احتجاج کرنے کی غرض سے گیا تھا مگر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتا واپس آ گیا''، انیس نے بات مکمل کی۔

وہ سب ہنس پڑے لیکن اس نے اپنے کندھے اچکائے۔علی کو یاد آیا کہ وہ کیسے اس جشن کو دریائے نیل کے بیراجوں پر منایا کرتے تھے۔رجب نے کہا،'' آنحضورؐ کے سفر کی خوشی منانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم بھی سفر کریں۔'' اس نے دمکتے ہوئے چہرے سے کہا، ''میری کار میں بیٹھ کر دیہات کے سفر پر چلنے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟''

''لیکن ابھی ہم نے جی بھر کے حقہ نہیں پیا!''

سمارا کے مطابق یہ اچھا خیال تھا۔احمد کے خیال میں سفر کرنا خیر و برکت سے بھرپور تھا۔ ماسوائے انیس۔کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا جس نے بڑابڑا کر کہا،''نہیں!'' لیکن کیا لوگ اس مہم پر دو کاروں میں روانہ ہوں گے؟نہیں، ایک ہی میں، ورنہ اس میں کوئی لطف نہیں۔ کیسے، کار میں سات لوگوں کی گنجائش ہے اور ہم نو افراد ہیں؟ خوب! لیلیٰ خالد عزوز کی گود میں بیٹھ سکتی ہے

اور ثانیہ علی کی۔اس اچانک بن جانے والے پروگرام کے لئے جوش وخروش بڑھ گیا اور انیس نے بڑے تھکے ماندھے انداز سے کہا: "نہیں"۔

لیکن وہ اسے لے جانے پر تل گئے۔ایسے تفریحی سلسلے کا انعقاد محافل کے روح رواں کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ اس نے جانے اور کپڑے تبدیل کرنے سے انکار کر دیا، وہ اس بات پر مُصر ہوئے کہ وہ اس لمبے سفید چوغے میں ملبوس ہی چلے، جسے وہ گھر پر پہنے رہتا ہے۔تقریباً آدھی رات تھی جب وہ جانے کے لئے کھڑے ہوئے۔انیس ان کے دباؤ میں آ کر چل پڑا۔

وہ باہر کار کی طرف گئے۔وہ وقت ان کے روزمرہ کے چلے جانے کے وقت سے پہلے تھا۔عم عبدہ اپنی جھونپڑی کے سامنے کھجور کے درخت کی طرح کھڑا تھا، اس نے پوچھا کہ وہ جا کر کمرے کی صفائی کرے۔انیس نے کہا کہ وہ ان کی واپسی تک ہر چیز کو ایسے ہی رہنے دے۔

(۱۵)

کار چل پڑی۔ رجب، سمارا اور احمد آگے بیٹھے۔ باقی چھ افراد پچھلی سیٹ پر ٹُھس ٹُھسا کر ایسے بیٹھ گئے جیسے ان کا ایک جسم اور چھ سر ہوں۔ وہ تقریباً سنسان شہر کو عبور کرتے اہرامِ مصر کی سڑک پر چلے گئے۔ رجب نے تجویز پیش کی کہ صقارہ والی سڑک پر تفریح شاندار رہے گی، سب لوگ راضی ہو گئے، چاہے کسی نے سڑک دیکھی ہو یا نہیں۔ انیس، اپنا سفید لمبا چوغہ پہنے، کُب نکالے، خاموشی سے کار کے اندر بائیں جانب دبا بیٹھا تھا۔

انہوں نے اہرامِ مصر والی سڑک منٹوں میں عبور کی اور پھر صقارہ کی طرف مڑ گئے، وہ اس تاریک اور سنسان سڑک پر تیزی سے روانہ ہوئے، گاڑی کی لائٹ میں آگے کی تمام چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ تاریکی میں وہ سڑک تاحد نظر پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھی، جس کے دونوں طرف سدابہار درخت لگے تھے اور ان کی شاخیں اوپر جا کر آپس میں ملتی تھیں۔ دونوں طرف کھلی جگہ تھی، قدرتی مناظر اور تازہ ہوا۔ ان کے بائیں طرف، سڑک کے ساتھ بہتی نہر تھی۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں پانی کی سطح کا مدوجزر دکھائی دیتا تھا، سیاہ اور سلیٹی۔ کار تیز چل رہی تھی اور تیز ہوا کار کے اندر آ رہی تھی، جو خشک تھی، تروتازہ تھی اور اس میں سے سبزے کی خوشبو آ رہی تھی۔ ''آہستہ چلو''، ثانیہ نے رجب سے کہا۔

''حقہ پینے والوں کی حدِ رفتار مت توڑو''، خالد بولا۔

''کیا تم غیر معمولی رفتار سے چلنے والے ہو؟'' سمارا نے اس سے پوچھا۔ ہم ایک فرعون کی قدیمی قبر کی طرف جا رہے ہیں۔ قرآن پاک کی ابتدائی آیات کی تلاوت کے لئے اچھی جگہ ہے......

رجب نے گاڑی دوبارہ آہستہ کر لی۔ خالد نے ارادہ ظاہر کیا کہ وہ کچھ دیر کے لئے رُک کر اندھیرے میں چہل قدمی کریں، سب لوگ راضی ہو گئے۔ رجب نے گاڑی دو درختوں کے درمیان کچی جگہ پر روک دی۔ دروازے کھلے، احمد، خالد، ثانیہ، لیلیٰ مصطفیٰ اور علی باہر آئے۔ ان کے اترتے ہی انیس ذرا آرام سے بیٹھ گیا۔ اس نفسا نفسی میں اس کا ایک سلیپر گم ہو

گیا، وہ اسے تلاش کرنے لگا۔ جب انہوں نے اسے اپنے ساتھ جانے کا کہا تو اس نے بڑی شستگی سے کہا ''نہیں''۔

سمارا جونہی چلی رجب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، ''تم اپنے مسرتوں کے آقا کو تنہا نہیں چھوڑ سکتیں''۔

مہم شروع ہو گئی، وہ ہنستے اور گفتگو کرتے نہر کی طرف جا رہے تھے۔ ستاروں کی روشنی میں سائیوں کی طرف مڑے اور غیر مجسم آوازوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے سب لوگ غائب ہو گئے۔

''اس سفر کا کیا مقصد ہے؟''، انیس نے بڑے بھاری لہجے میں پوچھا۔

''سفر کی اہمیت ہے''، رجب نے کچوکا لگایا، ''نہ کہ اس کے معانی کی۔''

''ہونہہ!'' سمارا نے اپنی طرف کئے جانے والے اشارے کے احتجاج میں کہا، لیکن اب انیس نے بڑبڑاتے ہوئے شکایت کی ''اس اندھیرے میں مجھے نیند آ رہی ہے!''

رجب نے کہا ''اس سے لطف اندوز ہوں، اے مسرتوں کے آقا!'' پھر سمارا سے مخاطب ہوا، ''ہمیں اپنے متعلق ہی گفتگو کرنی چاہیے، ایمانداری کے ساتھ، قدرت کی اس ایمانداری کی طرح جو ہمیں گھیرے ہوئے ہے''۔

جب تم کوئی رومانوی طربیہ دیکھ رہے ہو تو نیند محال ہوتی ہے۔ بہت خوب! ایمانداری، وہ بھی صقارہ روڈ پر رات کے اس پہر! اب اس کا ہاتھ سمارا کی سیٹ کی طرف بڑھا۔ صقارہ روڈ پر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

''ہاں'' اس کی گفتگو جاری رہی، ''اپنی اپنی محبت سے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔''

''ہماری محبت۔''

''ہاں، ہماری! میرا یہی مطلب ہے!''

''میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ ایک دیوتا کے ساتھ کچھ کروں۔''

''یہ ممکن نہیں کہ اب تک تم ہمارے لئے شناسا نہ ہو۔''

سمارا نے اپنا چہرہ کھیتوں کی طرف کر لیا تا کہ جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں سن سکے۔ وہ آہستگی سے بولی کہ ان کھیتوں کے اوپر آسمان پر ستارے کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ اب تک میری ڈائری میں نئے خیالات کیوں ریکارڈ نہیں ہوئے۔ کیا اب ہم خود کو ایک رات کے لئے کسی تھیٹر کے سٹیج پر دیکھ سکتے ہیں اور سامعین کے ساتھ قہقہے لگا سکتے ہیں۔

''مجھے معلوم ہے تم کیا کہنا چاہتی ہو''، رجب بولا۔

''کیا؟''

''یہی کہ تم دیگر لڑکیوں کی طرح نہیں۔''

''کیا یہی ہے جو تم سوچتے ہو؟''

''لیکن محبت......''

''محبت؟''

''کیا تم مجھ پر یقین نہیں کرتے!''

''اس تاریکی میں ایمانداری کہاں چلی گئی؟ ہماری آوازیں کیڑے مکوڑوں کے لئے کیا معانی رکھتی ہیں؟ تم چالیس کے پیٹے میں ہو، رجب۔ کچھ دنوں تک تمہیں مختلف کردار ادا کرنے ہوں گے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ کیسانووا(۱)(Casanova) نے خود کو کیسے ڈیوک کی لائبریری میں چھپا لیا تھا؟''

''برائے مہربانی اس ذہنیت کا اظہار دوبارہ مت کرنا'' وہ بولی۔

''تو پھر میں تمہارے خوف کی وضاحت کیسے کروں؟''

''میں خوفزدہ نہیں ہوں۔''

''تو پھر یہ اعتماد کا مسئلہ ہے۔''

''یہ الفاظ تم نے ایک فلم میں کہے تھے۔''

---

(۱)۔ایک شخص جو اپنی عشقیہ مہم جوئی کی وجہ سے مشہور ہے۔

''میں اب بھی سنجیدگی پر یقین نہیں رکھتی، لیکن میں تم پر اعتماد کرتا ہوں''۔

''یہ خدائی فوجدار کی سی ذہنیت ہے''! وہ بولی۔

آسیب کھیتوں میں گھوم رہے ہیں یا میرے ذہن میں، جیسے دیہات کے گزرے ہوئے ایام میں تھے۔ شادی، باپ بننا، ارادے، موت۔ ستارے لاکھوں سال سے قائم ودائم ہیں، لیکن اب تک انہوں نے زمین کے ستاوں سے متعلق نہیں سنا۔ باہر آسیب نہیں ہیں، محض درخت ہیں، جو کھیتوں کے درمیان کھڑے ہیں۔

اب رجب کہہ رہا تھا،''شادی ہونے تک میں پاک وپاکیزہ رہ سکتا ہوں۔''

''شادی ہونے تک؟''

''لیکن میرے اندر ایک شیطان ہے، جو معمول کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔''

''معمول!''

''صرف ایک اشارے سے تم ہر چیز سمجھ جاتے ہو! مگر میں تمہیں نہیں سمجھ سکی......''

وہ بالکونی اور لہروں کی آواز کہاں ہے؟ حقہ، دریا کی خوشبو؟ عم عبدہ کہاں ہے؟ وہ خیالات جو اسی روشنی کی طرح چمکتے ہیں جو سدا بہار سے ٹکراتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے، لیکن کہاں؟

''تم نے اپنے چاہنے والے سے شادی کیوں نہیں کی؟''

''میں اس سے مطمئن نہیں تھی۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ تم اس سے محبت نہیں کرتی تھیں۔''

''یہی سمجھ لو۔''

''وہ میری طرح چالیس کے پیٹے میں تھا۔''

''ایسا نہیں تھا۔''

''اطمینان صرف چناؤ کی صورت میں ضروری ہے، محبت میں نہیں۔''

''مجھے معلوم نہیں''۔

''اور جنس؟''

''یہ ایسا سوال ہے جسے فراموش کر دینا چاہیے!''

انیس ایسی آواز میں چیخا جس سے رات کی خاموشی ٹوٹ گئی: ''ضابطے، زمانے اور محبت کی درجہ بندی اور جنس؟ منحوس قواعد دان لوگ!''

وہ بڑی بے چینی سے پیچھے مڑے اور پھر دونوں ہنس پڑے، ''ہم سمجھ رہے تھے تم سو گئے ہو''، رجب بولا۔

''ہم کب تک اس قید میں رہیں گے؟''

''ہمیں صرف ایک گھنٹہ ہوا ہے۔''

''ہم نے خودکشی کیوں نہیں کی؟''

''ہم محبت کے بارے میں گفتگو کی کوشش کر رہے تھے۔''

رات کی تاریکی میں ''مہم'' کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر ان کے چہرے نمودار ہوئے۔ وہ کار کی (تہہ ہونے والی) چھت کے قریب اکٹھے کھڑے ہوئے۔ ہاں عزیزو! ہمیں بڑی آسانی سے یہاں قتل کیا جا سکتا تھا...... وہ بہادری اور طربیہ شاعری کے دن کہاں گئے؟ خالد نے کہا کہ وہ ابھی ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کرنے والا تھا، کیا وہ ''دھوکے باز'' اتنی شرم والا تھا۔

''اور پھر اندھیرے میں''، مصطفیٰ نے کہا، ''ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم معلوم کر سکیں کہ ہم کتنے ماڈرن ہیں، اور کون غلط کاریوں کا اعتراف کرتا ہے!''

''گناہ!''

''میرا مطلب ہے جنہیں رائے عامہ میں ایسا سمجھا جاتا ہے۔''

''اور اس کا کیا نتیجہ نکلا؟''

''شاندار''

''ان میں سے کتنوں کو 'جرم' کہا جا سکتا ہے؟''

''درجنوں کو۔''

''اور کتنے چھوٹے گناہ تھے؟''

''ہزار ہا''۔

''کیا تم میں سے کسی نے نیک عمل سرانجام دیا؟''

''یہ سہرا احمد نصر کے سر ہے!''

''شاید تمہارا مطلب بیوی سے اس کی وفاداری ہے۔''

''اور معاشی احکامات، سٹاک اور مال کے حصول کی شقیں!''

''تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''ہمارے اعداد و شمار کے مطابق ہم بے داغ ہیں، اور وہ اخلاقیات جو ہم میں موجود نہیں، ایک مردہ عہد کی مردہ اخلاقیات ہیں، اور ہم ایک نئے اور سچے اخلاق کے بانی ہیں جسے مقننہ نامنظور کرے!''

''شاباش!''

انیس سڑک کے کنارے لگے درختوں کو دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔ انہیں غیر معمولی ترتیب سے لگایا گیا تھا۔ اگر وہ اپنی مقررہ ترتیب چھوڑ دیں تو دنیا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے۔ ایک شاخ میں سانپ لپٹا ہوا تھا، وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ ٹھیک ہے کوئی ایسی بات کرو جو سننے کے قابل ہو۔ لیکن کیسی منحوس لائن ہے۔ ''مجھے یہ سننے دو!'' وہ زوردار آواز سے چیخا اور اس طرح چیخنے پر سب لوگ ہنس پڑے۔

''تم کیا سننا چاہتے ہو؟'' مصطفیٰ نے کہا۔

وہ دوبارہ کار میں گھس گئے اور ایک مرتبہ پھر انیس دروازے سے لگ گیا۔ سانپ مکمل طور پر غائب ہو گیا۔

''ایک مکمل ماڈرن ڈرائیور اب کار چلائے گا!'' رجب نے کہا۔ کار سڑک پر آ گئی، انجن کی آواز آ رہی تھی، اور پھر وہ چل دیئے، انتہائی تیز حتیٰ کہ وہ ایک غیر انسانی رفتار سے

چلنے لگے۔

سب لوگ مغلوب الغضب ہو کر ہنسنے لگے۔ انہیں ایسا محسوس ہوا کہ وہ ایک گہری خلیج میں ڈوب گئے ہیں اور بڑے دہشت زدہ ہو کر نیچے جا لگنے کا انتظار کر رہے تھے۔

''پاگل پن۔ یہ پاگل پن ہے!''

''یہ ہمیں بے دردی سے مارے گا!''

''ٹھہرو! ہمیں اپنے سانس بحال کرنے دو!''

''نہیں! نہیں! پاگل پن بھی کہیں نہ کہیں جا کر رُکے گا!''

رجب نے بڑے اضطراب سے اپنا سر پیچھے کیا اور ریڈ انڈین کی سی آوازیں نکالتے ہوئے، کار اتنی تیز چلائی جتنی چل سکتی تھی۔ سمارا نے مجبوراً اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا اور سرگوشی کی: ''پلیز!''

''لیلیٰ چیخ رہی ہے''، خالد نے بات کاٹی ''کیا تم اپنے حواس میں واپس آ جاؤ گے!''

میرا ذہن کام کرنا چھوڑ چکا ہے۔ میرے سر میں صرف خون کی گردش ہے۔ کف کے شدید دباؤ کی کیفیت میں میرا دل ڈوب رہا ہے۔ اپنی آنکھیں بند کر لو۔ اس طرح تم موت کو نہیں دیکھ سکو گے۔

اچانک ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی۔ اور وہ ہوا میں ایک سیاہ چیز کو دیکھ کر چونک گیا۔ ہچکولا کھاتی ہوئی کار تقریباً الٹ گئی تھی، رجب کے خوفناک طریقے سے بریک لگانے پر وہ سب لوگ سیٹوں اور دروازوں سے جا لگے۔ چیخوں اور سسکیوں میں استغفار کی آوازیں بلند ہوئیں۔

''کوئی چیز ٹکرائی ہے!''

''وہ یقیناً مر گیا ہے۔''

''ہمیں اسے آتے ہوئے دیکھ لینا چاہیے تھا!''

''یا اللہ! کتنی خوفناک رات ہے!''

''خود پر قابو پاؤ!'' رجب چلایا۔ وہ اپنی سیٹ پر واپس ہوا اور پچھلی سکرین سے باہر دیکھنے کے لئے مڑا۔ پھر اس نے گاڑی کو چلانے کے ارادے سے سٹارٹ کیا۔ احمد اس کی طرف جھکا، اس کے چہرے پر حیرت اور خوف تھا، ''ہمیں یہاں سے فوراً چلے جانا چاہیے'' رجب نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

خاموشی چھا گئی۔ ''یہی ایک حل ہے'' اس نے پھر کہا۔

سب لوگ خاموش تھے۔ سمارا نے آہستگی سے کہا ''اسے طبی امداد کی ضرورت ہے؟''

''وہ ختم ہو چکا ہے۔''

اس مرتبہ وہ ذرا بلند آواز میں بولی: ''تم اس طرح...... قانون کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے!''

''ہم کیا کر سکتے ہیں! ہم ڈاکٹر نہیں!''

سمارا نے دیگر لوگوں کی طرف مڑتے ہوئے کہا، ''تم سب کا کیا خیال ہے؟'' اور جب کوئی شخص بھی نہ بولا تو اس نے کہا: ''میرا خیال ____''

رجب نے بڑے خطرناک انداز سے بریک لگائی۔ کار سڑک کے بیچ رک گئی۔ پھر وہ ان سب سے مخاطب ہوا، ''کل کوئی یہ نہ کہے کہ فیصلہ میں نے کیا، میں تم سب پر چھوڑ رہا ہوں۔ تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' جب خاموشی چھائی رہی تو وہ چلایا: ''مجھے جواب دو! میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں وہی کروں گا جو تم کہو گے!''

''ہمیں یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے!'' خالد بولا ''یہی ایک حل ہے۔ اگر کوئی اس سے متفق نہیں تو اسے ابھی کہنا چاہیے۔''

''چلتے رہو'' مصطفیٰ نے بے تابی سے کہا، وگرنہ (بہتری کی) کوئی امید نہیں''۔

لیلیٰ اب بھی چلا رہی تھی، پھر ثانیہ بھی بول پڑی۔ اس موقعے پر رجب سمارا سے مخاطب ہوا، ''تم دیکھ رہی ہو، ہم نے ووٹ لے لئے''، اور جب وہ کچھ نہ بولی تو اس نے گاڑی چلا دی۔

وہ بولا ''ہم اس وقت دنیا میں عملی طور پر موجود ہیں نہ کہ کسی ڈرامے کے سٹیج پر''۔

وہ نسبتاً سست رفتار سے چل پڑے۔ اس نے بے ڈھنگی، پریشان کن اور خطرناک ڈرائیونگ کی۔

ایک سکوت سا چھا گیا۔ انیس نے اپنی آنکھیں موندلیں، تا کہ ہوا میں اُڑتی سیاہ رنگت کی شکل دیکھ سکے۔ کیا وہ اب بھی درد میں مبتلا ہوگا؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں اور کیسے قتل کیا گیا؟ اس کا وجود کیونکر تھا؟ کیا وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا؟ کیا زندگی گزر گئی جیسے اس کا وجود تھا ہی نہیں؟

وہ مسلسل چلتے گئے اور کشتی گھر پہنچ گئے۔ خاموشی سے کار سے اترے۔ رجب کار کی چھت کو دیکھنے کے لئے وہاں رُک گیا۔ عم عبدہ ان کے استقبال کے لئے کھڑا ہوا مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ لیمپ کی نیلی روشنی میں ان کے چہرے زرد اور پریشان نظر آ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد رجب ان سے آن ملا، ان کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔

جب خاموشی نا قابل برداشت ہوئی تو علی نے کہا، ''وہ کوئی جانور بھی تو ہوسکتا ہے......''

''وہ انسانی چیخ تھی''، احمد نے جواباً کہا۔

''تمہارے خیال میں تفتیش ہم تک پہنچ جائے گی؟''

''ہمیں اس خیال کو رد کر دینا چاہیے۔''

''اور وہ سب کچھ حادثاتی تھا''، رجب بڑبڑایا۔

''لیکن بھاگ نکلنا بھی ایک جرم ہے''، سمارا نے کہا۔

''ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں تھا!'' اس نے بڑے ترش لہجے میں کہا، ''اور فیصلہ متفقہ تھا!''۔ اس نے بالکونی اور دروازے کے بیچ ٹہلنا شروع کر دیا۔ پھر بولا: ''میں بہت پریشان ہوں...... مگر بھول جانا ہم سب کے لئے بہتر ہوگا۔''

''اگر ہم بھول سکیں تو۔''

''ہمیں ضرور بھول جانا چاہیے، ورنہ (ہمارے خلاف اٹھنے والا) کوئی بھی قدم ان تین

خواتین کی شہرت خراب کرسکتا ہے اور ہماراستیاناس......اور ہمیں سیدھا عدالت پہنچا سکتا ہے۔''

عم عبدہ اندر آیا۔ انہوں نے بڑی بے چینی سے اسے دیکھا لیکن اس نے کوئی غیر معمولی چیز محسوس نہیں کی۔ ''آپ لوگوں کو کوئی چیز چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

رجب نے اسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔ وہ یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا کہ وہ مسجد جا رہا ہے۔ جب وہ چلا گیا تو رجب نے پوچھا، ''تمہارے خیال میں اسے کچھ سمجھ میں آیا؟''

''اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا''، انیس نے جواب دیا۔

''ہمیں اب یہاں سے بھی چلے جانا چاہیے''، رجب نے دوبارہ عالم پریشانی میں کہا۔

خالد راضی ہو گیا، ''صبح ہونے والی ہے''۔ خالد، لیلیٰ، علی، ثانیہ، مصطفیٰ اور احمد چلے گئے۔

رجب، سمارا کی طرف مڑا اور کہا، ''میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے تم سب کو پریشانی میں ڈالا، میرے ساتھ آؤ تا کہ میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔''

اس نے سخت برگشتگی میں اپنے سر کو ہلایا، ''اس کار میں نہیں۔''

''یقیناً تم جن بھوتوں پر یقین نہیں کرتیں!''

''نہیں، جب اس کار سے کوئی کچلا گیا تو میں اس میں بیٹھی تھی......''

''اپنے ساتھ اپنے خیالات مت دوڑاؤ!''

''یہ درست ہے، میں بالکل بکھر چکی ہوں......''

''میں بھی اس وقت ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں، میں تمہیں یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ ہم اکٹھے پیدل چلیں گے تاوقتیکہ تمہیں ٹیکسی مل جائے۔'' وہ سمارا کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔

(۱۶)

عمِ عبدہ کے اذان فجر دینے کی آواز اس کے کانوں میں پڑی، اس نے سوچا کہ وہ اکیلا ہے۔ مجھے چاہیے کہ میں کسی کو بلالوں یا کسی کے پاس چلا جاؤں۔ رات کے اُس پہر اس نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور سوچا: میرے ذہن سے پراسرار خیالات رفع ہو گئے اور اب میں سکون سے ہوں۔ وہ اس غیر معمولی خیال پر ہنس پڑا۔ لیکن اب وہ پرسکون تھا اور صبح ہونے والی تھی۔ گفتگو کی آواز اور روہیل مچھلی کے بھی کوئی آثار نہیں تھے۔ حقے میں ڈالنے کے لئے اچھی کِف کہاں تھی۔ کار سے کسی کا کچلا جانا؟ خلیفہ الحکیم نے بھی بے شمار قتل کئے۔ جب اس خلیفہ کو یہ یقین ہوا کہ وہ ایک دیوتا ہے تو اس نے لوگوں کو ''ملوخیہ'' نامی ڈش کھانے سے منع کر دیا۔ میں ان سے کیوں ہار مان گیا اور ان کے ساتھ باہر چلا گیا؟ اور میرا شمار قاتلوں میں ہوا۔ وہ رفتار، دیوانگی، قتل، وہ فرار، فوری فیصلہ، خون آلودہ جمہوریت میں ووٹوں کا لیا جانا۔ گویا میری بیوی اور بچی اٹھے اور ایک مرتبہ پھر وفات پا گئے۔ مُردوں کے علاوہ کوئی بھی آج رات نہیں سو سکے گا۔ وہ چیخ جس سے عرش کانپ اٹھا، انجان، انجان سے انجان کی طرف۔ اس کا ذہن کب خود پر ترس کھائے گا اور نیند اس پر غالب آئے گی؟ خلیفہ الحکیم پرجلال قسم کے رازوں کی مشق کے لئے پہاڑ پر چلا گیا اور واپس نہیں آیا۔ وہ آج تک نہیں لوٹا۔ اور اس کا کوئی نشان بھی نہیں مل سکا لیکن لوگ اب بھی اسے تلاش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ زندہ ہے۔ ایک نابینا شخص نے اسے ایک مرتبہ دیکھا لیکن کسی نے اس کا یقین نہیں کیا۔ وہ اب بھی ان لوگوں کو نظر آتا ہے جو نزول قرآن کی شب حقہ پیتے ہیں۔ جہاں تک اس نامعلوم شخص کا تعلق ہے، وہ یقیناً مر چکا ہے۔

اس کی منتشر نگاہیں فرج کے دروازے پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ پہلی مرتبہ اسے یہ احساس ہوا کہ فرج کے دروازے اور علی السید کی پیشانی میں شباہت ہے۔ اور یہ کہ اس فرج کی آنکھیں بھی ہیں جن میں خوشی کے آنسو ہیں۔ انہی آنکھوں نے بتایا کہ خلیفہ الحکیم قتل کر دیا گیا۔ ناممکن، ایسا شخص قتل نہیں ہو سکتا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ اس نے خواہش کی اور پھر خودکشی۔ اس نے پہاڑ سے

اوپر سے، قاہرہ کا نظارہ کیا، پہاڑ کو حکم دیا کہ وہ شہر کو مسمار کر دے۔ اور جب پہاڑ نے اس کا حکم ماننے سے انکار کیا تو اسے ادراک ہوا کہ اس کی کوشش بے سود تھی، لہٰذا اس نے خود کو مار ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ زندہ ہے اور ان کے سامنے آ سکتا ہے جو نزول قرآن کی شب حقہ پیتے ہیں......

اسے باغیچے سے عم عبدہ کی آواز آئی: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''، وہ نماز پڑھ کر واپس آ رہا تھا۔ انیس نے اسے بلایا، وہ فوراً آ گیا۔ ''آپ ابھی تک نہیں سوئے''، اس نے پوچھا۔

''کیا تم اچھی کوالٹی کی باقی کِف اپنے ساتھ لے گئے؟'' انیس نے کہا۔

''نہیں، میں نہیں لے گیا!''

''میں نے بہت تلاش کی، نہ جانے کہاں پڑی ہے؟''

''اس منحوس ٹرپ کی وجہ سے میرا سر ابھی تک چکرا رہا ہے۔''

''صبح ہونے والی ہے، آپ کو سو جانا چاہیے۔''

جب عم عبدہ جانے لگا تو انیس نے پوچھا: ''عم عبدہ، کیا تم نے اپنی زندگی میں کسی شخص کو قتل کیا؟''

''اوہ!''

انیس نے ایک پردرد آہ بھری، ''اوہ!، چلو، جاؤ''۔

وہ خود کو تھکانے کے لئے ٹہلنا شروع ہو گیا۔ بالکونی میں گیا اور گدے پر گر گیا۔ اتنا بھاگنے کے باوجود اسے نیند سے اکتاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ کشتی گھر میں کِف کی عدم دستیابی نے اس کی بیزاری اور پریشانی کے امکان کو دوگنا کر دیا تھا۔ اسے ''صبر'' ستاروں سے مانگنا پڑے گا۔

سڑک کی روشنیاں بند ہو گئیں۔ قدرت کے اصل رنگ نظر آنے لگے۔ صبح کی پہلی کرن رینگتی، اُفق کے بنفشی رنگ کو گلابی کرتی، نمودار ہوئی۔ تاریکی ''پسپا'' ہوئی اور ببول کے درخت ازسرِنو ''پیدا'' ہوئے۔ وہ فوراً، بامایوسی، لیکن چیلنج کے انداز میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا سر پانی

کے نل کے نیچے کافی دیر رکھا، اور بادل نخواستہ، فرج سے دودھ کا گلاس نکال کر پیا۔ خود کافی بنا کر اسے پی گیا۔ وہ اس جگہ سے اُکتا گیا، سوٹ پہنا اور کشتی گھر سے، قبل از وقت، روانہ ہو گیا تا کہ آفس ٹائم سے پہلے سڑکوں اور گلیوں میں گھوم سکے۔

تر و تازہ ذہن کے ساتھ وہ کشتی گھر سے باہر پہلی مرتبہ آیا تھا۔ اس نے قہقہوں سے اپنے خیالات اور اوہام کا لطف اتنا ہی اٹھایا جتنا حقے سے۔ اس کے سامنے سڑک پھیلی ہوئی تھی جس کے دونوں طرف بڑے درختوں کی قطاریں کھڑی تھیں۔ درختوں کے سرے ایک دوسرے سے ملنے کے لئے ایسے جھکے جیسے اس کے سامنے کے منظر پر کوئی تیوری ہو۔ اس نے چھوٹے اور بڑے کشتی گھروں کو بھی پہلی مرتبہ بغور دیکھا جو دریا کے کنارے پر کھڑے تھے اور باغات کے مناظر کی وجہ سے بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ یہ غیر معمولی تھا۔ ہر کشتی گھر کی اپنی علیحدہ شخصیت تھی، رنگ تھا، جوانی یا بڑھاپا، اور ان کی اشکال کھڑکیوں سے عیاں ہو رہی تھی۔ اور سب سے حیران کن چیز ایک کھجور کا درخت جس پر پیلی کھجوریں لگی تھیں۔

اسے یقین نہ آیا کہ اس دریا کے کنارے پر کوئی کھجور کا درخت بھی ہے۔ مختلف سائز کے درخت وہاں کھڑے تھے اور ان پر کلیاں لگی ہوئی تھیں۔ اسے ان کے نام بھی معلوم نہیں تھے اور نہ ہی ان کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔

اونٹوں کا ایک کاروان اس کے قریب سے گزرا۔ ایک شخص نے اونٹ کی مہار پکڑی ہوئی تھی۔ وہ حیران تھا کہ وہ کہاں سے آئے اور کہاں جا رہے تھے۔ ایک خیال، ایسا پختہ جیسا یقین، اس کے ذہن میں آیا: کہ وہ درد اور الجھن کی گہرائی میں پھسلتا جا رہا ہے۔ ایک کشتی گھر کے دروازے پر لکھا تھا ''کرایے کے لئے بہترین کمرے۔'' یہاں ایک خالی فلیٹ تھا، اور ایک خاتون بھی تھی، نہ تو اتنی عمر رسیدہ اور نہ ہی بھدی، جو کشتی گھر کی بالائی منزل سے جھانک رہی تھی۔ جتنے بھی ممکنات اس کے ذہن میں آسکتے تھے، کوئی غیر شادی شدہ کرایہ دار۔ اس زمین پر ایک مہذب شخص نے دن کیسے گزارا؟ اس کے راستے میں ایک بہت بڑے درخت نے کچھ دیر اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔ اس نے درخت کی شاخوں کی طرف دیکھا جو ہوا میں

پھیلی ہوئی تھیں، ایک گنبد نما چیز جس کی بلندی صبح کے بادلوں میں گم تھی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر درخت کے بڑے تنے کی طرف دیکھا اور اپنی نظر کو اس کی جڑوں کی طرف مرکوز کر دیا جو زمین کے نیچے کسی شکاری پرندے کے پنجے کی طرح جڑی ہوئی تھیں، کہ جیسے یہ درخت جنون و وحشت کے درد میں مبتلا ہو۔ چھال کا ایک ٹکڑا غائب تھا اور اس کے اندر کی پیلی لکڑی نمایاں تھی جو قوطی محراب کی شکل میں کھوکھلی نظر آ رہی تھی۔ اس محراب کی اونچائی بالکل اس کے قد کے برابر تھی اور اسے اندر مدعو کر رہی تھی۔ اس درخت کی زندگی ...... صرف اس درخت کی۔ کسی کو قائل کرنے کے لئے کافی تھی، ان لوگوں کو بھی جنہیں قائل کرنے کی ضرورت نہیں، کہ درخت وہ زندہ شے ہیں جو بغیر ذہانت کے اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ اپنے اردگرد کی تمام اشیاء کا مشاہدہ کرتا چلتا رہا، اس بات پر حیران تھا کہ (زندگی کے) وجود کا رنگ سرخ ہے یا پیلا، اور درخت کی چھال کسی مردہ شخص کی کھال کی طرح ہے۔ لیکن اس نے کب کسی مردہ شخص کی کھال دیکھی؟ اسے یقین تھا کہ اب اسے کسی ایسی چیز کا سامنا ہے جو اسے چیلنج کر رہی ہے، روک رہی ہے اور درد میں مبتلا کر رہی ہے۔ اسے اچانک احساس ہوا کہ اس نے شیو نہیں کی اور یہ کہ وہ جب تک نشہ کرتا رہا شیو کرنا نہیں بھولا تھا۔ اس طرح معاملات اور بھی پیچیدہ ہو گئے۔ کسی نے اس سے ٹائم پوچھا مگر اس نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ سست رفتاری سے آگے بڑھتا رہا، ہا کر کو دیکھتا اور ان لوگوں پر غور کرتا جو اس کے قریب سے گزر رہے تھے۔

اس نے کافی عرصے سے اخبار نہیں پڑھا تھا...... اسے حالات حاضرہ کا بالکل بھی علم نہیں تھا ماسوا ان حواس باختہ تبصروں کے جو تمباکو نوش پارٹی کی، نہ ختم ہونے والی، بکواس میں ضم ہو جاتے ہیں۔ وزراء کون تھے؟ ان کی کیا پالیسیاں تھیں؟ حالات کیسے تھے؟ کون پرواہ کرے! جب تک تم کسی ویران سڑک پر سفر کرو اور کوئی ٹھگ تم پر حملہ آور نہ ہو، جب تک عم عبدہ، ہر شام، اچھی قسم کا نشہ تمہیں مہیا کرے، جب تک فرج میں دودھ پڑا ہے، حالات بالکل درست ہیں۔ جہاں تک سنجیدگی کے آزار اور صعوبتوں کا تعلق ہے، کار کے حادثات اور راتوں کو ہونے والی پیچیدہ گفتگو، اسے اب بھی نہیں معلوم کہ ان تمام معاملات کا کون ذمے دار ہے؟

وہ وزارت (دفتر) وقت سے پہلے ہی پہنچ گیا۔ جونہی وہ کرسی پر بیٹھا اس پر نیند کا شدید غلبہ ہوا۔ اس نے اپنا سر ڈیسک پر رکھا اور خواب کے مزے لینے لگا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والوں نے اسے پینل کوڈ کی میٹنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی، لیکن اس نے آگاہ کیا کہ گورنمنٹ کے لئے، خاص طور پر چوری اور بدکاری کے سلسلے میں، سب سے بہتر چیز احکام عشرہ (۱) ہیں۔ وہ کمرے سے نکل کر اپنے گاؤں واپس چلا گیا، اس کے بچپن کے ساتھی اس کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے اس پر مٹی پھینکی، وہ اپنے ہاتھ میں پتھر لئے ان پر جھپٹ پڑا: لیکن عدیلہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: میں تمہاری بیوی ہوں، مجھے مت مارو، انیس نے اس سے اپنی بیٹی کے بارے میں پوچھا تو عدیلہ نے جواب دیا: وہ ہم سے پہلے جنت میں پہنچ گئی اور لافانی لوگوں کے درمیان گھومتی ہے، انہیں پینے کے لئے آبِ شیریں دیتی ہے، وہ بہت خوش ہوا اور عدیلہ کو بتایا کہ ایک طویل زندگی اختتام کو پہنچی اور وہ اسے یاد کرنے کی فضول کوشش کر رہا تھا۔ یاد کرو کہ جنت کے راستے میں سدا بہار درخت تھے اور تم رات کے وقت اس راستے پر نہیں چل سکتی تھیں لیکن ایک کار چند سیکنڈوں میں وہ راستہ عبور کر سکتی تھی، یہ لمحات خوف سے بھرپور تھے، ایک شخص چیخا لیکن اس کی آواز حلق ہی میں دب گئی اور کسی کو سنائی نہیں دی۔ وہ شخص ہوا میں بلند ہوا اور ایک درخت کی شاخ پر جا بیٹھا اور اس نے کہا: یہ تم ہو! اور تم بولیں: تم کیوں نہیں جانتے؟ رات تاریک تھی، اس نے کہا مجھے کوئی چیز بھی نظر نہ آئی پھر اس نے خاصی دیر فضول گفتگو کی، اس (خاتون) نے کہا: تم کیا چاہتے ہو، تو اس نے کہا: مجھے وہی چاہیے جو میں کشتی گھر میں تلاش کر رہا تھا۔ لیکن پھر وہ چیز ایک سیاہ بادل کی صورت میں آ رہی تھی، اور اس کی بوچھاڑ صرف ایک مرتبہ ہی ہوئی اور یہ جسمانی اذیت میں مبتلا لوگوں کی تشنگی مٹانے کے لئے کافی تھی، اس کے بعد اس نے اپنا ہاتھ عدیلہ کی طرف بڑھایا، لیکن اس نے دیکھا کہ عم عبدہ سڑک سے تیز بھاگتا ہوا آ رہا ہے، لہٰذا وہ بھی، پیچھے دیکھے بغیر، تیزی سے بھاگ نکلا، اور بھاگتے ہوئے اسے ہر لحہ یہ خوف محسوس ہوا کہ عم عبدہ اسے پکڑنے والا ہے۔ وہ کشتی گھر پہنچ گیا، راہداری کی طرف جا کر دروازہ بند کر لیا، اور یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ محفل کے تمام لوگ معمول کے مطابق وہاں موجود تھے، وہ ان سے گلے ملا اور

---

(۱)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے دس خدائی احکام۔

کہا: مجھے ایک خوفناک خواب نظر آیا، رجب نے پوچھا کہ خواب میں اس نے کیا دیکھا، اس نے بتایا کہ خواب میں، ہم سب لوگ تمہاری کار میں سوار ہیں، تم بڑی دیوانگی سے کار چلا رہے ہو، کار نے ایک شخص کو ٹکر ماری، وہ ہوا میں بلند ہوا، وہ سب لوگ کافی دیر تک ہنسے اور مصطفیٰ نے کہا: آئندہ تم جب بھی سونے کے لئے جاؤ تو بستر کی چادروں کو بڑے سلیقے سے ترتیب دینا، اس نے سرد آہ بھری اور کہا مجھے حقہ پینے دو! سمارا نے اسے حقہ پیش کیا، کیونکہ وہ ہی اس حقے کی دیکھ بھال کر رہی تھی، اس نے ایک طویل کش لیا، اس نے، سمارا پر ہنستے ہوئے کہا: کیا ہم لوگوں نے تمہیں نہیں بتایا؟ سمارا نے حقہ پیچھے کھینچا، کھڑی ہوئی اور اپنے منہ پر سکارف باندھ لیا اور ایک (روایتی) مصری ڈانس کرنے لگی، اس نے سب لوگوں کو تالیاں بجانے کا کہا، لیکن وہاں کسی کو موجود نہیں پایا۔ کشتی گھر میں حقیقتاً اس وقت ان دو کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا، لہٰذا وہ سمارا کی جگہ تالیاں بجاتا ہے، پھر اسے یہ کہتے ہوئے اپنی بانہوں میں لے لیتا ہے: میں نے تمہیں ہر جگہ تلاش کیا، عم عبدہ سے بھی تمہارے متعلق پوچھا، اسی لمحے دروازے پر مکے پڑنا شروع ہو گئے، عم عبدہ چیخا: کھولو! پھر انیس نے سمارا کا ہاتھ پکڑ کر اسے فرج کی طرف کھینچا اور دونوں فرج کے اندر دبک کر بیٹھ گئے اور اس نے دروازہ بند کر لیا، مکوں کی آواز اور شدید ہو گئی اور وہ جگہ اسی آواز سے گونجنے لگی، یہ سلسلہ جاری تھا کہ اس نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ اس کے دفتر کے ساتھی اُسے جگا رہے تھے۔

''جاگو''!

اس نے اپنی آنکھیں ملیں۔

''ڈائریکٹر جنرل کے پاس جاؤ''، اس کے ساتھیوں نے کہا،''وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔''

اس نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ تقریباً دس بجے تھے۔ اس کے پیر لڑکھڑا رہے تھے اور اس کا دل ڈوب رہا تھا، وہ واش روم گیا، اپنا منہ دھویا اور ڈائریکٹر جنرل کے دفتر جا کر اس کے سامنے پیش ہو گیا۔ اس نے انیس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھا،''سہانے خواب مبارک!''

درد کی شدت اور خود پر غصہ آنے کی وجہ سے وہ بول نہ سکا۔

''میں نے تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا'' اس نے گفتگو جاری رکھی، ''جب میں تمہارے ڈیپارٹمنٹ سے گزر رہا تھا، تم بچے کی طرح سو رہے تھے''۔

''میں بیمار ہوں۔''

''تمہیں چھٹی لے لینی چاہیے تھی۔''

''جب تک میں کام پر نہیں آیا تھا میری طبیعت ٹھیک تھی۔''

''حقیقت یہ ہے کہ تم دائم المرض اور نا قابل علاج ہو۔''

''اچانک انیس طیش میں آ گیا، ''نہیں!'' وہ بھونڈے طریقے سے چلایا۔

''کیا تم اس لہجے میں مجھ سے مخاطب ہو؟''

''میں نے کہا کہ میں بیمار ہوں! میرا مذاق مت اُڑائیں!''

''تم پاگل ہو گئے ہو۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔''

اور انیس ایک گرجدار آواز میں چیخا: ''نہیں!''

''پاگل انسان! نشہ کرنے کی عادت نے تمہیں یہاں تک پہنچا دیا ہے!''

''بہتر ہوگا کہ تم اپنی زبان کو لگام دو!'' انیس نے دندان شکن جواب دیا۔

ڈائریکٹر جنرل اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا، اس کا چہرہ زرد ہو گیا، ''گستاخ آدمی!'' وہ چلایا، ''بدکار، نشئی!'' انیس نے، بغیر سوچے سمجھے، سیاہی (۱) چوس اُٹھایا اور ڈائریکٹر جنرل کو دے مارا، وہ اس کے سینے پر، ٹائی کے اوپر جا لگا۔ غصے میں آ کر ڈائریکٹر جنرل نے گھنٹی بجا دی۔

''اگر تم نے کوئی اور لفظ کہا ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا!'' انیس چلایا۔

اپنے دفتر میں واپس آ کر اسے انتہائی خاموشی محسوس ہوئی، اس نے کسی سے نظریں نہیں ملائیں، پتھر کا سا منہ بنائے وہ ان سب سے علیحدہ بیٹھ گیا اور اسے کسی بھی تکلیف کا احساس نہیں ہوا۔ دفتری اوقات ختم ہونے سے ذرا پہلے اس کا ایک ساتھی اس کے پاس آیا۔ اس نے انیس سے بڑے ہمدردانہ انداز میں سرگوشی کی، ''مجھے یہ بتاتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ تمہاری نوکری برخاست کرنے کا حکم صادر ہو گیا ہے اور سول سروس ٹریبونل تمام تحقیقات کرے گا۔''

(۱)۔ دفاتر میں موجود سیاہی چوس کا وہ ٹکڑا جو لکڑی کے ہینڈل سے جڑا ہوتا ہے۔

(۱۷)

اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ تمہاری بدنصیبی ہی نے تمہیں ہنسنے پر مجبور کیا۔ جب وہ دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا تو عم عبدہ نے اُسے بتایا کہ وہ ڈیلر سے کوئی چیز بھی خرید نہیں سکا۔ اور یہ کہ انہوں نے اس کی وارننگ کو ردّ کر کے غلطی کی۔ اب کیا کیا جائے؟ وہ دوسرے ڈیلر سے رابطہ کرے گا، لیکن اسے کامیابی کا یقین نہیں۔

تباہی، موسم سرما کے بادلوں کی طرح چھا گئی، وہ بستر پر لیٹ گیا اور شہداء سے متعلق ایک کتاب کے چند باب پر سرسری نظر ڈالی۔ خاصی دیر مطالعے میں مصروف رہنے کے باوجود بھی اسے نیند نہیں آئی۔ لیٹے رہنے سے بھی اُکتاہٹ ہونے لگی۔ وہ کھڑا ہو گیا اور وقت گزارنے کے لئے، کمرے کو شام کی محفل کے لئے ترتیب دینے لگا۔ جب تباہی و بربادی متواتر اس طرح آئے کہ ایک تباہی دوسری کو منسوخ کر دے تو ایک عجیب تاثر کے ساتھ، پاگل سی خوشی اپنا رنگ جماتی ہے۔ تم، بغیر کسی خوف کی پرواہ کیئے، دل کھول کر ہنس سکتے ہو۔ مزید یہ کہ سول سروسز ٹریبونل کی انکوائری ایسا شاندار رُخ بھی اختیار کر سکتی ہے! تمہارا پورا نام کیا ہے؟ انیس ذکی، آدم اور حوّا کا بیٹا۔ عمر؟ میں زمین کے خلق ہونے کے ایک ہزار سال بعد پیدا ہوا۔ ملازمت؟ مخمور پرومیتھس (Prometheus)۔ تنخواہ؟ مصر میں پچیس کلو گوشت کی قیمت۔ کم از کم ایک ڈیلر ضرور مل جانا چاہیے۔

وہ بالکونی میں چلا گیا۔ عم عبدہ کی آواز کانوں میں پڑی، وہ نماز ظہر کی امامت کرا رہا تھا اور ایک پہاڑ کی طرح کھڑا دکھائی دے رہا تھا، جب کہ صف میں کھڑے نمازی اس کے مقابلے میں چھوٹے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک چوکیدار بھی دکھائی دیا، ایک دیہاتی، ایک ملازم...... کشتیوں کا بیڑہ، جس میں پتھر لدے تھے، جو دریا کے بہاؤ کی مخالف سمت رواں دواں تھا۔ سبز مائل بھورے رنگ کی لہریں یکسانیت کے ساتھ، کشتی گھر سے ایسے ٹکرا رہی تھیں جیسے اس وقت دنیا میں امن وامان قائم ہو۔ ببول کے بلند درخت، کسی دیگر دنیا کی سی نعمتوں کی طرح دریا کے کنارے پر کھڑے تھے۔

عمِ عبدہ نماز کے بعد واپس آیا لیکن اس نے شام کے لئے کمرے کو تیار پایا۔ انیس بالکونی سے واپس آیا، "تم میرا پیچھا کررہے تھے!" اس نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"میں نے خواب میں دیکھا کہ تم میرا پیچھا کررہے ہو!"

"کیا میں تمہاری خیریت کی اُمید رکھوں؟"

"اگر میں تمہیں کشتی گھر سے فارغ کردوں تو تم کیا کروگے؟"

عمِ عبدہ ہنس پڑا، "ہر شخص عمِ عبدہ سے محبت کرتا ہے" اس نے جواب دیا۔

"کیا تم دنیا سے محبت کرتے ہو؟"

"میں ہر اس چیز سے محبت کرتا ہوں جو اس رحمٰن نے خلق کی ہے"۔

"لیکن کبھی کبھار یہ نفرت انگیز بھی ہوتی ہے، کیا ایسا نہیں؟"

"دنیا بہت خوبصورت ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو عمر طویل عطا فرمائے"۔

"یہ جان لو کہ تم خالی ہاتھ واپس مت آجانا۔"

"ہمارا آقا و مولا موجود ہے۔"

کشتی گھر روایتی طریقے سے ہلا۔ انیس نے دروازے کی طرف دیکھا کہ کون وقت سے پہلے آرہا ہے۔ جونہی عمِ عبدہ باہر نکلا۔ سمارا نمودار ہوئی۔ وہ بہت پریشان نظر آرہی تھی اور اس کی آنکھوں سے خوف جھلک رہا تھا۔ جوانی کی بہار اس کے چہرے پر ماند پڑ گئی تھی۔ اس نے بڑے میکانکی انداز میں انیس سے مصافحہ کیا۔ وہ ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئے۔ اس نے دیکھا کہ کمرے کو شام کی محفل کے لئے غیر معمولی انداز سے تیار کیا گیا۔ اس نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا، "کیا معمولاتِ زندگی پہلے کی طرح رواں دواں رہ سکتے ہیں؟"

"کوئی چیز بھی پہلے کی طرح نہیں۔"

سمارا نے اپنی آنکھیں بند کیں، "میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوئی۔"

"اور نہ ہی میں۔"

اس نے سرد آہ بھری اور بولی: ''میرے اندر کوئی ایسی چیز مر چکی ہے جو ناقابل تبدیل تھی۔''

''موت میرا بھی پیچھا کر رہی ہے۔''

سمارا نے شام کا اخبار اسے تھمایا، ''ایک شخص کی لاش جو پچاس کے پیٹے میں تھا''، اس نے کہا، ''نیم برہنہ، اس کی ریڑھ کی، سر اور ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں تھیں، کار نے ٹکر ماری اور مرتکب افراد فرار ہو گئے، نہ تو مرنے والے کی شناخت ہو سکی اور نہ ہی اس کے رشتہ داروں کا علم ہو سکا۔''

اس نے خبر پڑھی اور اخبار ایک طرف پھینک دیا، ''ہم دوبارہ جہنم میں آ گئے ہیں''، وہ بولا۔

''ہم جہنم سے باہر ہی کب آئے تھے''، سمارا نے جواب دیا۔

''ہاں، ہم جہنم سے باہر ہی کب آئے تھے''، انیس نے الفاظ دُہرائے۔

''ہم حقیقی معنوں میں قاتل ہیں۔''

''ہم واقعی قاتل ہیں''، اس نے دریائے نیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، ''اب میں بے روزگار ہوں''، یہ کہہ کر اس نے ڈائریکٹر جنرل کی کہانی سنا دی۔ انہوں نے بے جان سی نظریں ملائیں اور سمارا نے اس پر کفِ افسوس ملا۔

''کیا تمہارے پاس ملازمت کے علاوہ کوئی اور ذریعہ آمدنی ہے''، سمارا نے پوچھا وہ ایسے مسکرایا جیسے جواب دینا غیر ضروری ہو۔

''ہمارے دوست کشتی گھر کے کرایے اور شام کی محافل کے اخراجات برداشت کرتے ہیں مگر......''

''ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ کسی کو واقعی معطل کر دیا جائے۔''

''وہ ہر شخص کو بتائے گا کہ میں ایک خستہ حال شخص ہوں، ایک نشئی!''

''کتنی ناگوار بات ہے، ایک بلائے ناگہانی کے بعد دوسری۔''

وہ دونوں اپنے ہی خیالات میں کھو گئے۔

پھر کشتی گھر کئی بار ہلا۔ تمام دوست اکٹھے ہی آ گئے۔ ان کے چہروں پر سراسیمگی تھی۔
انیس کے خیال میں وہ سمارا کے سامنے آتے ہوئے جھجک رہے تھے۔ رجب، حقے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انیس سے مخاطب ہوا، کہ آج حقہ کیوں نہیں بھرا اور اس میں آگ کیوں نہیں جل رہی، اس نے جواب دیا کہ چلم میں ڈالنے کے لئے کوئی چیز نہیں۔ اس نے سوچا: وہ اس سے روشنی نکالنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن بے سود۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ تمام لوگ اس اخبار کی خبر سے واقف تھے اور کچھ دیر پہلے ہی انہیں انیس کی، ڈائریکٹر جنرل کے ہاتھوں، برطرفی کا بھی علم ہوا۔ ''یہ کیسی آفتیں ہیں!'' علی نے سرد آہ بھری۔
''ہمیں بغیر کسی تاخیر کے حقے سے نجات حاصل کر لینی چاہیے''، احمد نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ سب لوگوں نے اسے گھورا۔
''ڈائریکٹر جنرل کشتی گھر پر ریڈ کروا سکتا ہے!'' اس نے دلیل پیش کی، پھر وہ کھڑا ہوا، حقے اور تمبا کو کو زور سے دریائے نیل میں پھینک دیا اور خود کو گدے پر۔ ''جب تک معاملات درست نہیں ہو جاتے اس جگہ کو خطرے کی علامت سمجھنا چاہیے''۔
انتہائی پریشانی کے عالم میں انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، انیس نے کہا، ''جنت کے ایام چلے گئے۔'' اور جب کسی نے جواب نہیں دیا تو وہ دوبارہ بولا، ''وہ ٹرپ شروع ہی سے تباہی سے بھرپور تھا، تم نے باہر جانے کا کیوں سوچا؟''
''ہمیں ماضی کو بھلا دینا چاہیے''، رجب نے بڑی سرعت سے جواب دیا۔
سمارا نے اپنے نتھنوں سے آواز نکالی، ''جب ہمارے ماضی میں ایک مقتول شخص ہو تو ہم ماضی کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں!''
''اسی وجہ سے تو ہمیں فراموش کر دینا چاہیے!'' رجب نے بڑی سختی سے جواب دیا۔
''یہ ناممکن ہے۔''
رجب نے اسے کافی دیر تک دیکھا۔ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ اس کے ذہن میں کیا ہے، اور کسی کو محبت کے امتحانات کا بھی معلوم نہیں تھا۔ کیا حالات اس سے بھی زیادہ بگڑ سکتے ہیں؟

رجب نے تمام لوگوں کی طرف دیکھا، ''میں نے اندازہ لگایا تھا کہ میرے آنے سے پہلے یہاں کیا ہوا ہوگا''، وہ بولا ''اب ہم جائے وقوعہ سے ذرا فاصلے پر ہیں اور ہمیں اطمینان سے سوچنے کی آزادی بھی ہے، ہمیں اپنی اپنی رائے بتانی چاہیے''۔

علی نے خفگی سے کہا، ''میرے خیال میں ہم نے سوچا تھا کہ معاملہ ختم ہو چکا ہے۔''

''ایسا لگتا ہے کہ سمارا کا خیال کچھ اور ہے!''

ثانیہ بڑی بے تابی سے بولی، ''اسے دوبارہ مت دُہرائیں، میں پہلے ہی شکستہ ہوں۔''

لیلیٰ نے بات بڑھائی، ''میں نے اذیت سے بھرپور رات گزاری، آنے والے وقت میں ہمارے لئے بہت آزمائشیں ہیں۔ یقیناً اتنا ہی کافی ہے۔''

رجب دوبارہ مخاطب ہوا: ''جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں، سمارا کی رائے کچھ اور ہے۔''

علی سمارا کی طرف مڑا۔ اس کا لہجہ شدید اور اداس تھا، ''سمارا! مجھے بتاؤ تم کیا سوچتی ہو۔ ہم سب ذہنی کوفت کا شکار ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی ذرا سی دیر کے لئے بھی نہیں سویا۔ ہم میں سے کوئی بھی قتل کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا، اور نہ ہی ایسا کرنے کا تصور کر سکتا ہے۔ ہم سب تمہارے احساسات میں شریک ہیں اور اس خبر سے ہمارا کلیجہ کٹ گیا۔ بیچارہ شخص...... شاید دیہات سے شہر کی طرف آ رہا تھا۔ ایک اجنبی جس کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ کوئی ذریعہ نہیں جس سے ہم اس غلطی کا ازالہ کر سکیں۔ ایسا کیسے ممکن ہے؟ اگر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی خاندان ہے تو ہمیں تلافی کا کوئی راستہ مل جائے گا، لیکن اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

اس نے کوئی لفظ نہیں بولا: نہ ہی اس نے اپنی نگاہیں اونچی کیں۔

''شاید تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ ہماری ذمے داری ختم ہو گئی ہے''، علی نے کہا، ''نظریاتی طور پر یہ درست ہے۔ ہمیں وہاں سے فرار ہونے کی بجائے وہاں رُک جانا چاہیے تھا، قریبی پولیس سٹیشن جا کر اعتراف جرم کرنا چاہیے تھا اور پھر عدالتوں کے مرحلے سے گزر کر خون بہا بھی ادا کرنا چاہیے تھا...... کیا یہ درست نہیں؟''

''میرے لئے تو، بلاشک وشبہ، جیل ہی تھی!'' رجب بولا۔

’’جو بشمول تمہارے ہر کسی کے لئے انتہائی تضحیک کا باعث تھی‘‘ علی نے بات بڑھائی۔

’’اس کے باوجود وہ شخص دوبارہ زندہ نہ ہوتا اور ہماری قربانیاں، کسی طرح بھی، اس کے لئے سودمند نہ ہوتیں!‘‘ مصطفیٰ نے کہا۔

علی پھر مخاطب ہوا، ’’میں سب لوگوں سے بہتر جانتا ہوں، تم ہر حوالے سے ایک مثالی لڑکی ہو، لیکن اگر ہم زندگی کے مسائل سے کچلا جانا نہیں چاہتے تو مطابقت پذیری ضروری ہے۔ یہ بدقسمتی پر مبنی ایک حادثہ ہے، کوئی ایسا معاملہ نہیں جو کسی ملک یا اصول سے متعلق ہو۔ بات سادہ سی ہے۔ ایک اجنبی شخص غلطی سے مارا گیا، یہ ایسی ذمے داری ہے جسے قبول کرنے سے میں انکاری نہیں۔ یہ یقیناً ایک حماقت ہے۔ کاش ایسا نہ ہوتا! لیکن کیا ہم لوگ تمہارے لئے بالکل بھی اہمیت کے قابل نہیں؟ کیا تم واقعی ہماری خوشیاں اور عزت داؤ پر لگانا چاہتی ہو۔ اور ہاں مجھے یہ بھی کہنے دیں، تمہاری بھی خوشیاں...... بغیر کسی وجہ کے؟‘‘

اس نے آہ بھرتے ہوئے آہستگی سے کہا، ’’اس کے بعد میں ناکارہ ہو جاؤں گی!‘‘

’’یہ ایک بے بنیاد خوف ہے۔ دنیا میں ہزاروں لوگ بغیر کسی وجہ سے روزانہ قتل کئے جاتے ہیں، اور دنیا کا نظام جاری وساری ہے۔ تمہیں ہمیشہ کام کرنے کے مواقع میسر ہوں گے، اور ہمارے لئے ایک متحمل قسم کا روّیہ، کسی بھی طرح، تیز اور چالاک بننے یا چیزوں کی گہرائی میں جانے سے نہیں روک سکتا۔ یا تم اسے جو نام بھی دو! شاید یہ آپ کو اپنی کوششوں کو تیز تر کرنے کی ترغیب دے۔‘‘

’’اسی طرح کبھی کبھار احساس گناہ بھی ہوتا ہے؟‘‘ وہ بولی۔

’’یہ کسی طرح بھی تمہارا گناہ نہیں ہے۔ اس طرح کے واقعات ہمیں ہر چیز سے متعلق سوچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ تمہاری وجہ سے رجب خواتین سے متعلق نرم روّیہ رکھنے کا سوچنے لگا ہے۔‘‘

اور سمارا نے بڑی تلخی سے جواب دیا: ’’تو پھر میں ایک یقینی موت کی طرف جا رہی ہوں!‘‘

’’ہم سب اپنی اپنی موت کی طرف جا رہے ہیں‘‘، خالد نے کہا۔

’’میرا مطلب ہے خوفناک موت کی طرف۔‘‘

''موت سے بڑھ کر خوفناک کوئی چیز نہیں۔''

''یہ اسی موت کا خوف ہے، جو تمہیں جیتے جی دبوچ لیتا ہے۔''

''نہیں بالکل نہیں! میں سب لوگوں کو، محض ایک استعارے کی وجہ سے، قربان ہونے کی اجازت نہیں دوں گا!'' خالد نے احتجاجاً کہا۔

اس موقعے پر رجب نے زوردار انداز میں کہا: ''اخبارات یہ خبر دیں گے کہ تم بری شہرت کے حامل مردوں کے ساتھ تھیں، رات کے اندھیرے میں، اور تم قتل جیسے جرم میں شریک ہو! کیا تمہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟''

اس کے سخت لہجے نے سمارا کو غصہ دلا دیا اور وہ پرجوش انداز میں چلائی: نہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا!''

اب رجب بھی بھڑک اُٹھا، ''ایسی ہمت ایک بڑی حماقت ہے! تمہیں معلوم ہے کہ ہم سب تمہارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے!''

''جھوٹ!''

''تو پھر ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چلو!''، رجب چیخا......اور مصطفیٰ بھی انتہائی غصے میں اس پر برس پڑا، ''ابھی ہم نے جو کچھ بھی کرنے کی کوشش کی، کیا تم اسے، اپنی حماقت سے، ایک لمحے میں برباد کر ڈالو گے؟''

ثانیہ اُٹھ کر رجب کے پاس گئی اور اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کے ہاتھ کو چھوا اور اس کا ماتھا چوما۔ پھر وہ سمارا کے سامنے کھڑی ہو گئی، ''کیا تم واقعی خود کو اور ہمیں قربان کرنا چاہتی ہو؟'' اس نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

''ہاں!'' سمارا اپنی بات پر ڈٹی رہی، وہ اب بھی برہم تھی۔

''تو ایسا کرو''، ثانیہ نے جواب دیا، ''ہمارے ساتھ وہ کرو جو تم چاہتی ہو۔''

پیشتر اس کے کہ سمارا کچھ کہتی عم عبدہ اندر آ گیا۔ سب لوگ خاموش ہو گئے۔

اس نے انیس کو ایک چھوٹا سا پیکٹ دیا، ''اسے حاصل کرنے کے لئے میں نے خود کو

تھکا ڈالا''۔

''فوراً اس سے نجات حاصل کرو''، احمد نے انیس کو ہدایت کی۔

''نہیں!''

''چلو، میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا!'' احمد نے کہا۔

''اسے پانی میں پھینک دینے سے آسان کوئی بات نہیں، اگر ہم نے ایسا کرنا ہے تو......''

''کیا بات ہوئی؟'' عم عبدہ نے پوچھا۔

انیس نے پیکٹ عم عبدہ کو واپس کر دیا اور اس میں سے ایک کپ کافی بنانے کا کہا۔ وہ بوڑھا شخص اسے لے گیا۔ اس کی آمد سے ماحول میں بڑی لطیف قسم کی تبدیلی آ گئی تھی۔ خاموشی چھا گئی، پھر مصطفیٰ نے بڑی اُداسی سے کہا، ''ہمیں نظر بد لگ گئی۔''

علی کا چہرہ اچانک رجائیت کے احساس سے کھل اُٹھا، ''میں شرط لگاتا ہوں کہ رجب کے بچے پیدا ہوں گے!'' انیس، باوجود اعصابی تناؤ کے، کھل اُٹھا، ''تم نے رائی کا پہاڑ بنا لیا ہے''۔

اور جب کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تو اس نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا: ''اگرچہ سمارا ایک اُصول پرست لڑکی ہے لیکن یہ اہل دین بھی تو ہے۔''

سب لوگوں نے بڑی متنبہ اور ناپسندیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن اس نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا، ''ہم محبت کے مقروض ہیں۔''

ایک سے زیادہ افراد نے اس سے خاموش ہونے کی گزارش کی مگر اس نے بات یوں ختم کی: ''کیونکہ یہ محبت ہی ہے جس نے ہمیں اُصولوں اور ضابطوں کی سزا سے بچایا!''۔

سمارا نے برہم ہوتے ہوئے فجائیہ کلمہ کہا: ''خدا کے واسطے!'' اور پھر بڑے زور و شور سے چیخی کہ جیسے اس کے اعصاب شکستہ ہو گئے ہوں۔ اسے رنجیدہ دیکھ کر وہ علی کے پاس آیا تا کہ اسے دلاسہ دے سکے۔ جہاں تک رجب کا تعلق ہے وہ چیختا چلاتا انیس کے سامنے آن دھمکا: ''تو! تو!''

اور یہ کہہ کر اس نے انیس کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا۔

(۱۸)

احمد نے رجب کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے پیچھے کھینچ لیا، اور کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا، ''تم پاگل ہو گئے ہو! کیا مصیبت ہے، کیا دیوانگی ہے!''

سمارا نے چلّانا بند کر دیا اور منہ پھاڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ انتہا درجے کی خاموشی چھا گئی۔ انیس تھپڑ کھا کر ساکن کھڑا رہا۔ اس نے خاموشی سے، خاصی دیر، رجب کی طرف دیکھا۔ مصطفیٰ نے، سہارا دینے کی غرض سے، اس کی طرف چلنا شروع کیا۔ مگر انیس نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور کہا، ''مہربانی کرو۔'' مصطفیٰ نے کہا، ''یہ بے شک بہت غلط بات تھی۔ لیکن کرنے والا دوست ہی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔''

''نہیں!'' انیس نے گرجدار آواز میں کہا۔

عم عبدہ اندر داخل ہوا، کہ جیسے انیس کی بات کا جواب ہو۔ ''کافی انگیٹھی پر رکھی ہوئی ہے''۔ انیس نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا اور خود کلامی کرتے ہوئے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے اچانک رجب کی طرف چھلانگ لگا دی اور اس کا گلا اپنے بازو میں دبا لیا۔ رجب نے اپنی گردن چھڑانے کے لئے اس کے بازو پر اپنا ہاتھ مارا، لیکن انیس نے اس کی ناک پر مُکّا مارا، اور وہ ایک دوسرے کو لاتیں اور مکّے مارتے رہے۔ دیگر افراد انہیں چھڑانے کی غرض سے آگے بڑھے، انیس لڑکھڑایا اور زمین پر گر گیا۔ عم عبدہ دروازے پر آیا اور انہیں حیران ہو کر دیکھتا رہا اور کہا: ''نہیں! نہیں!''۔ احمد نے اسے چلے جانے کا کہا، لیکن وہ بار بار کہتا رہا: ''نہیں، نہیں!'' ان کی مشترکہ نگاہوں کے زیرِ اثر آ کر بڑی بے تابی سے اپنا سر ہلاتا وہاں سے چل پڑا۔

مصطفیٰ اور علی نے انیس کو کرسی پر بیٹھنے میں مدد کی، دیگر لوگوں نے رجب کو گھیر لیا جو اپنی ناک سے رسنے والے خون کو صاف کر رہا تھا۔ انیس نے اپنے دونوں ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر رکھ لئے اور اپنے سر کو پیچھے کی طرف جھکا لیا، اپنی آنکھوں کو آدھا بند کر لیا۔ لیلیٰ اور ثانیہ طبی امداد کا بندوبست کرنے لگیں۔ وہ پانی اور کاٹن لے آئیں تا کہ انیس کے نچلے ہونٹ اور بھنوؤں سے

نکلنے والے خون کو صاف کر سکیں، پھر انہوں نے انیس کا چہرہ اور گردن صاف کی۔

سمارا کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے ایسے الفاظ کہے جسے کوئی نہیں سن سکا۔ احمد نے دونوں ہاتھ آپس میں مارتے ہوئے کہا، ''میں کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا!''

''یہ بلائے ناگہانی ہے'' علی بڑبڑایا۔

ثانیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، ''کیا کسی کو یقین آئے گا کہ یہ سب کچھ اس کشتی گھر میں ہو سکتا ہے!''

سمارا نے دوبارہ چیخنا شروع کر دیا، لیکن اس مرتبہ اس کی آواز بلند نہیں ہوئی۔ انیس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور سامنے گھورنا شروع کیا۔ علی اس پر جھک گیا اور پوچھا، ''تم کیسے ہو؟'' انیس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے پھر پوچھا، ''اگر تم چاہو تو میں ڈاکٹر کو بلا لوں''، انیس نے جواب دیا: ''اس کی ضرورت نہیں۔''

''پریشانی نے ہمیں تباہ کر دیا، یقین جانو'' علی نے گفتگو جاری رکھی، ''حتیٰ کہ رجب کو بھی، وہ بھی تم سے صلح کرنا چاہے گا۔''

انیس حیران کن اطمینان و سکون سے بولا، ''کوئی چیز بھی ضروری نہیں''، کچھ دیر بعد پھر کہا، ''سوائے......'' اس نے کچھ نگلا، اور پھر کہا، ''سوائے قتل کے۔''

ایسا محسوس ہوا کہ ان میں سے کوئی یہ نہ سمجھ سکا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ انیس کرسی پر بیٹھا رہا، ''کیا اب تم بہتر ہو؟'' علی نے پوچھا اور اس نے اسی سکون سے جواب دیا، ''کوئی چیز بھی اہمیت کی حامل نہیں، سوائے قتل کے......''

''تمہارا کیا مطلب ہے؟''

''میرا مطلب ہے انصاف ہونا چاہیے۔''

''رجب اس کے لئے تیار ہے۔'' علی نے بات شروع کی، لیکن انیس نے اس کی بات کاٹی، ''میرا مطلب ہے نامعلوم شخص کا قتل''۔

"انہوں نے ایک دوسرے کو بڑی حیرت سے دیکھا۔علی نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا،"سب سے اہم چیز یہ ہے کہ تم پھر سے اپنے پرانے اوصاف کی طرف لوٹ آؤ۔"

"اوہ! میں مکمل طور پر واپس آ چکا ہوں، شکریہ"، انیس نے کہا،"میں تو اس کی بات کر رہا ہوں جو ہمیں اب کرنا ہے۔"

"لیکن میرے پیارے دوست"، علی نے احتجاجاً کہا،"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں وہ اتنا مبہم بھی نہیں۔ میں اس نامعلوم شخص سے متعلق کہہ رہا ہوں جو قتل ہوا، اور یہ کہ انصاف ہونا چاہیے۔"

علی، شش و پنج میں گرفتار، بڑی حماقت سے ہنسا۔"تم دیکھ سکتے ہو کہ ہم اتنے پریشان ہیں جتنا کوئی سوچ سکے"، وہ بولا،"اور آپس میں لڑنے جھگڑنے سے چیزیں خراب تر ہو سکتی ہیں۔"

"انصاف کو عمل میں آنا چاہیے۔"

"تم زیادہ بولنے سے یقیناً تھک گئے ہو......"

"ہمیں اپنی شمولیت سے متعلق حکام کو آگاہ کرنا چاہیے۔"

"تمہیں نہیں معلوم تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"بات اس کے برعکس ہے، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کے مطلب اور مفہوم سے مکمل طور پر آشنا ہوں۔"

"یہ ناقابل یقین ہے۔"

"تمہیں یقین کر لینا چاہیے کیونکہ یہ کامل سچ ہے۔"

"لیکن اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں!"

"میرا کسی اور چیز سے بھی تعلق نہیں۔"

احمد انیس کے لئے وہسکی کا گلاس لایا جسے اس نے شکریے کے ساتھ لینے سے انکار

کردیا۔

لیکن انیس نے بتایا کہ جب وقت آئے گا تو وہ خود ایسا کرے گا۔

''میں تمہاری منت کرتی ہوں کہ ہماری پریشانی میں اضافہ مت کرو۔''

''لیکن یہ بات اٹل ہے۔''

''ہم نے یہ بات ختم کردی۔ سمارا نے بھی ہماری گزارش مان لی!''

''میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔''

خالد نے بڑی بے تابی سے کہا،''ہر کسی کو یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ آج رات دیوانگی ہم پر غالب آ گئی ہے۔ اگر ہم یہاں رُکے رہے تو مزید کوئی خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔''

''لیکن میں خود پولیس کے پاس جاؤں گا'' انیس بولا،''یہ بات تم سب کے علم میں آ جانی چاہیے۔''

تمام لوگوں نے حیران ہو کر انیس کی طرف دیکھا۔ رجب نے اپنا چہرہ دریائے نیل کی طرف کرلیا تاکہ اپنے غصے کو ہوا کی نذر کردے،''اس وقت تمہاری ذہنی حالت ٹھیک نہیں''، احمد نے کہا۔

''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں بالکل درست ہوں۔''

''کیا تم اس کے نتائج سے آگاہ ہو؟''

''یقیناً ہوں، ہر کسی کو اپنے کیئے کی سزا ملے گی۔''

''یہ تو بالکل یاسیت کا شکار ہو گیا ہے''، رجب زوردار طریقے سے چلاّیا،''اسے ملازمت سے برطرف کردیا گیا ہے! دیگر افراد کو اس کے نتائج میں شامل کرنے سے اسے کیا مل جائے گا!''

''خاموش رہو!''علی نے چیخ کر کہا، تم ہر چیز کے اصل ذمے دار ہو، لہٰذا ایک لفظ بھی نہ کہنا!'' وہ انیس سے مخاطب ہوا،''کیا تم نے واقعی یہ سوچ لیا کہ ہم تمہاری پریشانی کے وقت تمہیں چھوڑ دیں گے''، پھر وہ تنگ آ کر بولا،''ابھی تک یہ بات یقینی نہیں کہ تمہیں برطرف کردیا

گیا ہے، اور اگر ایسا ہو جاتا ہے تو ہم سب لوگ تمہارے ساتھ ہیں، جب تک تمہیں دیگر ملازمت نہیں مل جاتی، ہمارا تعاون حاضر ہے۔"

"بہت شکریہ لیکن یہ بات بے محل ہے"، انیس نے جواب دیا۔

"خدا کے واسطے سمجھداری کا ثبوت دو! کوئی شخص بھی تمہاری صورتِ حال کو درست قرار نہیں دے سکتا! حتیٰ کہ سمارا بھی ہماری ہم خیال ہو گئی ہے! میں تمہیں سمجھ نہیں پا رہا۔"

"کیا تم واقعی نہیں سمجھ سکے؟" رجب چلّایا۔

"خاموش رہو!" علی نے پھر کہا۔

"کیا تم نہیں سمجھ سکے کہ اس نے مجھ سے بدلہ لینے کی ٹھان رکھی ہے!"

"خاموش رہو!"

"یہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔ اور کسی پاگل شخص کو سمجھانے کی ضرورت نہیں!"

"ہم نے تمہیں خاموش رہنے کا کہا ہے!"

"پیشتر اس کے کہ میں کسی نشئی کو اپنا مستقبل تباہ کرنے کی اجازت دوں، یہ دنیا تباہ ہو جائے گی!"

سمارا نے کچھ کہنا چاہا لیکن رجب نے غصے سے اس کی کلائی جھنجھوڑ دی، "اور تم کیا کہنا چاہتی ہو، ہماری تمام تر مصیبتوں کی جڑ!" وہ سمارا پر برس پڑا۔ جب سمارا نے بھی غصے کا اظہار کیا تو رجب دیوانہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور چلّایا، "اگر قتل کا الزام لگنا ہی ہے تو حقیقتاً ایک قتل ہو جانے دو!" اس موقعے پر تمام افراد نے اسے گھیر لیا، "تباہی!" احمد نے کہا، "تباہی ہونے والی ہے! ہم سب تباہ ہو جائیں گے!"

"عم عبدہ دوبارہ کمرے میں آیا، "خدا کی پناہ مانگو"۔

"نکل جاؤ یہاں سے!" احمد چیخا، "چلے جاؤ اور دوبارہ بالکل مت آنا، جب وہ چلا گیا تو وہ انیس سے مخاطب ہوا، "انیس! جو کچھ بھی ہوا تم اچھی طرح جانتے ہو، تمہیں دوستی کا واسطہ، کہہ دو کہ تم نے سب کچھ ناگہانی میں کہا۔"

''میں اپنی بات واپس نہیں لوں گا''، انیس ڈٹا رہا۔

''تو پھر جہنم میں جاؤ!'' احمد نے چیختے ہوئے کہا۔ پھر وہ سمارا کی طرف متوجہ ہوا اور انتہائی پریشانی کے عالم میں اسے مداخلت کرنے کا کہا۔ تمام نگاہیں اس پر مرکوز تھیں اور ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اسے بولنے پر مجبور کر رہی ہیں اور جو کچھ بھی ہوا اس کی ذمے داری بھی اسی پر عائد کر رہی تھیں۔

اُداسی اور کوفت اس پر غالب آ گئی۔ اس نے انیس کو دیکھا اور حلق میں کچھ نگلا۔ وہ ابھی بولا ہی چاہتی تھی کہ انیس بولا: ''میں قسم کھاتا ہوں کہ میں واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔''

رجب نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تاکہ اپنے گرد اس ہالے کو توڑتے ہوئے انیس پر جھپٹ سکے، لیکن وہ سب لوگ اس کے ہاتھ اور کمر پر اپنی گرفت مضبوط کیے رہے۔ اس نے خود کو ان کے ہاتھوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اس لمحے انیس کھڑا ہوا اور بغلی دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے ہاتھوں میں کچن والی چھری اُٹھا لایا۔ دروازے اور فرج کے درمیان ایک خاص جگہ پر گھات لگا کر بیٹھ گیا تاکہ اپنے آپ کو ''موت'' سے بچا سکے۔ تمام خواتین چلاّ اُٹھیں۔ ثانیہ نے دھمکی دی کہ وہ حملے کی صورت میں فوراً پولیس کو بلا لے گی۔ اس چھری کو دیکھ کر رجب نے زیادہ زور سے ہاتھ پیر چلانے شروع کر دیئے اور انیس پر سب وشتم کی بوچھاڑ کر دی اور بار بار انیس پر حملہ کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ خالد چلایا: ''ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے!''

رجب نے کہا: ''پیشتر اس کے کہ یہ مجھے قتل کرے، میں اسے مار ڈالوں گا!'' اس کے روکنے کے باوجود تمام لوگوں نے اسے دروازے کی طرف دھکا دیا۔ وہ بڑے خوفناک انداز سے خود کو آزاد کرانے کی کوشش کرتا رہا اور وہ لوگ بھی اسے مضبوطی سے تھامے رہے، یہاں تک کہ ان کے درمیان جنگ کی سی کیفیت ہو گئی۔ اس نے دھمکایا کہ اگر وہ اسے نہیں چھوڑیں گے تو وہ انہیں بھی مارے گا، جواباً انہوں نے بھی یہی دھمکی اسے دی۔

انیس نے یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ وہ ایک دوسرے سے کشتی کر رہے تھے،

تھوڑی دیر بعد وہ دستبردار ہو گیا۔ وہ ہانپتا، کانپتا وہاں ساکن کھڑا رہا۔ پھر وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ دیوانگی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی، ''تمہارا کیا خیال ہے میں اکیلا ہی ذمے دار ہوں!''

''جب تک ہم کشتی گھر سے چلے نہ جائیں اس وقت تک گفتگو بند کرو۔''

''تم میرے ساتھ آؤ۔''

''ہم باہر جا کر خاموشی سے گفتگو کریں گے۔''

''نہیں خبیثو!'' رجب چلّایا ''میں خود جا رہا ہوں، میں پولیس سٹیشن جاؤں گا اور مجھے کوئی بھی نہیں روک سکتا، نہ تباہی، نہ موت اور نہ ہی کوئی آسیب۔''

وہ باہر بھاگ گیا، دیگر افراد اس کے پیچھے بھاگے۔ ثانیہ اور لیلیٰ بھی ان کے پیچھے گئیں، کشتی گھر میں ان کے قدموں سے کھلبلی سی مچ گئی۔

انیس نے وہ چھری میز پر رکھ دی اور اپنے قریب پڑے ہوئے گدے پر بیٹھ گیا۔ سمارا بھی اس کے قریب تھی۔ وہ دونوں رات کا منظر دیکھتے ہوئے ایسے خاموش بیٹھ گئے جیسے تنہائی میں خاموشی سے بیٹھا جاتا ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھا اور نہ ہی کوئی بات کی۔ انیس نے سوچا کہ زمین خود بخود پھٹ گئی اور ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ وہ جانے پہچانے قدموں کی آہٹ سے چونکا۔ اس نے پیچھے مڑ کر اس وقت تک نہیں دیکھا جب تک وہ بوڑھا شخص اس کے پیچھے آ کر کھڑا نہیں ہوا۔ ''وہ جا چکے ہیں'' عم عبدہ نے کہا۔

انیس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عم عبدہ دوبارہ بولا، ''شیطان نے آج رات تم سے خوب مزے اُٹھائے''۔ انیس نے خاموشی برقرار رکھی، ''میں آپ کے لئے کافی لایا ہوں''۔

انیس نے اپنے جبڑے پر انگلی گھماتے ہوئے کہا، ''کافی میرے سامنے رکھ دو۔''

''اسے ابھی پی لیں، ان کی خاطر جو آپ کی بہتری چاہتے ہیں''، اس سے درد میں افاقہ ہوگا''، اور عم عبدہ نے کپ اُٹھا کر انیس کے منہ سے لگایا تا کہ وہ اسے پی سکے، ''اپنی صحت کی خاطر اسے پی لیں''، عم عبدہ نے کہا۔ پھر وہ پیچھے ہٹ گیا، لیکن دروازے پر جا کر رُکا، ''اگر وہ آپ کو دوبارہ مارتا تو میں نے کشتی گھر کا لنگر کھولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔''

''لیکن میں بھی دیگر افراد کے ساتھ ڈوب جاتا!'' انیس نے حیران ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''اللہ تعالیٰ ہمیں بچانے والا ہے''، عم عبدہ نے باہر جاتے ہوئے کہا۔

انیس بڑے دھیمے انداز میں مسکرایا، ''تم نے سُنا جو اس بوڑھے شخص نے کہا''، اس نے سمارا سے پوچھا۔

''تمہارے خیال میں ہمیں ڈاکٹر کو بلا لینا چاہیے؟'' سمارا نے جواباً پوچھا۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔''

اس گفتگو سے درد پھر اثر انداز ہونے لگا، لیکن اب یہ معمولی تھا چونکہ کافی کے کپ نے اس کا پیٹ درست کر دیا تھا۔

''کیا وہ واقعی پولیس سٹیشن جائے گا؟'' سمارا نے پوچھا۔

''مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے''، اس نے جواب دیا۔

وہ کچھ کہنے سے پہلے ہچکچائی اور پھر کہا، ''کس چیز نے تمہیں......؟'' اور ذرا سی دیر کے لئے رُک گئی۔

انیس اس کی بات سمجھ گیا لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

''کیا یہ غصہ تھا؟'' سمارا نے پوچھا۔

''شاید۔''

''شاید؟''

وہ مسکرایا اور کہا، ''میں یہ بات کہہ کر دیکھنا چاہتا تھا...... کہ کیا کچھ کہا جائے گا۔''

وہ کچھ دیر سوچ کر بولی، ''کیوں؟''

''میں صحیح طور پر تو کچھ کہہ نہیں سکتا شاید تاثرات جاننے کے لئے۔''

''اور تم نے کیسا پایا؟''

''جیسا تم نے دیکھا۔''

''اگر رجب نے ایسا نہیں کیا تو تم پولیس کو اطلاع دو گے؟''

''کیا تم ایسا نہیں چاہتیں؟''

''سمارا نے سرد آہ بھری،''اب بات میرے بس سے باہر ہے، مجھے شکست ہوئی۔''

''لیکن تجربے سے ایسا ثابت ہوا کہ ایسا ممکن ہے؟''

''لیکن ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ تم اسے آخر تک نہیں نبھاؤ گے۔''

''میرے پاس اس کام کے لئے اتنے بہتر جواز نہیں جتنے تمہارے پاس ہیں۔''

''اب تم مجھے دوبارہ قتل کر رہے ہو!''

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا:''تم رجب سے محبت کرتی ہو، کیا ایسا نہیں ہے؟''

وہ خاموش ہی رہی اور یہ تاثر دیا کہ وہ اس کے جواب کے لئے منتظر ہونے سے ناواقف ہے۔ انیس پھر مخاطب ہوا،''کیا تم نے رجب کو اس شخص سے مختلف نہیں پایا جسے تم نے پہلے انکار کر دیا تھا''۔ اس نے بڑے درد بھرے انداز سے جواب دیا،''میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے اندر اب بھی لڑنے کا جوش وجذبہ سلامت ہے۔''

''اگر تم نے اسے مختلف پایا تو اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں، وہ شخص بھی شاندار رہی ہے......''

''لیکن وہ اخلاقیات سے عاری ہے!''

''اب ان (اخلاقیات) کا وجود ہی ناپید ہے، احمد نصر کے لئے بھی نہیں۔''

''میں تمہیں یاسیت پسند کہوں گی، لیکن مجھے اس کا حق حاصل نہیں۔''

''بہر حال ان کا اخلاقیات سے عاری ہونا، انہیں کسی اخلاقی حماقت سے بچائے رہے گا۔ اور تم دوبارہ محبت کی طرف لوٹ آؤ گی!''

''مجھے جتنا چاہو اذیت پہنچاؤ، میں اسی قابل ہوں، شاید اس سے بھی زیادہ''

وہ ہنس پڑا، اور اس ہنسنے سے اسے جبڑے میں درد محسوس ہوا۔''مجھے ایک اعتراف کرنا ہے۔''وہ بولا،''میرے اس عجیب وغریب رویے کی ایک وجہ حسد بھی تھی!''

سمارا نے حیرت سے اس کی طرف گھورا۔ وہ بھی مسکرایا اور بولا: ''تمہیں دھوکا دینا مناسب نہیں، تم نے سوچا ہو گا کہ تمہارے ڈرامے کے کرداروں میں سے ایک، تمہارے الفاظ کے اثر...... یا تلخ تجربے کی وجہ سے، مخالف سمت کی طرف گامزن ہو گیا اور اس طرح اس کا اختتامیہ بےکار ہو جائے گا۔''

سمارا اب بھی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ ''ایک اور بھی اختتامیہ ہے''، انیس نے گفتگو جاری رکھی۔ ''اتنا ہی فرسودہ...... وہ یہ کہ جواباً تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔''

سمارا نے نگاہیں جھکا لیں ''اور تم اختتامیہ کس طرح دیکھتے ہو؟''

''یہ ہمارا مسئلہ ہے''، وہ بولا، ''محض ڈرامے کا مسئلہ نہیں۔''

''لیکن پہلے تم نے 'جو کچھ بھی کہا جانا تھا' سے متعلق بات کی تھی!''

''یہ درست ہے۔ یہ صرف غصہ نہیں تھا اور نہ ہی حسد۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ وہ کہوں جو کہا جانا تھا۔ ایک سنجیدہ صورت اختیار کرنے کا فیصلہ تاکہ اس کے تاثر کا مشاہدہ کیا جا سکے۔ اور پھر ایک زلزلہ آ گیا جس کے نتائج کا ہم میں سے کسی کو بھی ادراک نہیں تھا۔ حتیٰ کہ تم بھی شکست خوردہ ہوئیں!''

''تم مجھے پہلے ہی قتل کر چکے ہو...... اور اب میری لاش کو مسخ کر رہے ہو!''

''لیکن میں تم سے محبت کرتا ہوں!''

سمارا کی آنکھوں میں شدید کرب کی جھلک دکھائی دی۔ ''میں تسلیم کرتی ہوں''، وہ بولنا شروع ہوئی ''کہ میں جتنی سنجیدہ ہوں، میں نے اس سے زیادہ بننے کی کوشش کی۔''

''جلدی بولو...... کافی اپنا اثر دکھانے والی ہے۔''

''سکون کے لمحات میں، حماقت مجھے گھن کی طرح کھاتی ہے۔''

''یہ اسی کی ایک علامت ہے''

''لیکن میں اپنی ذہانت اور قوتِ ارادی سے اس کا مقابلہ کرتی ہوں۔''

''شاید ڈرامے میں تم اپنے مطلوبہ ارتقاء کو ہیروئن کی اخلاقی شکستگی کی صورت دیکھ سکو''،

انیس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''نہیں اس کے برعکس! میں مصمم ارادے کے ساتھ چلتی رہوں گی!'' اس نے احتجاجاً کہا۔

انیس ہمدردانہ سے انداز میں خاموش رہا۔ ''اور پھر بھی''، سمارا نے گفتگو جاری رکھی، ''میں اس بات کی قائل ہوں کہ مسئلہ صرف ذہانت اور قوتِ ارادی کا نہیں۔''

''تو پھر کس کا ہے؟''

''کیا تمہیں معلوم ہے یہ کیسا ہے، میلے کے میدان میں لگے ہوئے ایک بڑے پہیے (چکر) کی طرح کا۔''

''نہیں۔''

''جو لوگوں کو پستی سے بلندی پر اور پھر بلندی سے پستی پر لے جاتا ہے......''

''تو پھر؟''

''جب تم بلندی کی طرف جاتے ہو تو تمہیں لامحالہ بلند ہونے کا احساس ہوتا ہے، اور جب تم نیچے کی طرف آتے ہو تو تمہیں لامحالہ پستی میں جانے کا احساس ہوتا ہے، دونوں صورتوں میں ذہانت اور ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں!''

اس تمام صورتِ حال کی وضاحت کرو، اور ہاں کافی کو بھی ذہن میں رکھنا!''

''ہم پستی کی طرف جانے والے لوگ ہیں۔''

''تم اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

''ہمارے پاس صرف قوتِ ارادی اور ذہانت ہے۔''

''اور شکست بھی؟''

اس نے بڑے پر جوش طریقے سے کہا ''نہیں!''

''کیا تم خود کو فتح کی ایک علامت سمجھتی ہو؟'' اس نے سمارا سے پوچھا۔

جو لوگ پستی کی طرف جا رہے ہوتے ہیں ان میں سے چند ایسے ہوتے ہیں جو خود سے سبقت لے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بھی جو اس کوشش میں خود کو تباہ کر لیتے ہیں۔''

سمارا نے اُمید سے متعلق گفتگو شروع کی۔ انیس نے باہر دریائے نیل کی طرف دیکھا۔ رات نے اپنے پر پھیلائے اور اس کے راز ستاروں کی طرح پھیل گئے۔ سمارا کے الفاظ انیس کی گہری نیند کے خمار میں دب گئے۔ جلد ہی اُسے ادراک ہوا کہ پانی کی سطح پر اندھیرا وہیل کے سر کو ظاہر کر دے گا۔

سمارا انیس سے مخاطب ہوئی: ''تم یہاں (میرے پاس) نہیں تھے۔''

وہ خود سے مخاطب ہو کر بولا، ''بن مانس کی چالاکی ہی تمام تر تباہی کا سبب ہے۔ اس نے دو پیروں پر چلنا سیکھ لیا، اور اس کے ہاتھ آزاد ہو گئے۔''

''اس کا مطلب ہے مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔''

''اور وہ درختوں میں واقع بن مانسوں کی جنت سے نیچے جنگلوں کی زمین پر اُتر آیا......''

''جانے سے پہلے صرف ایک سوال: معاملات کے مزید پیچیدہ ہونے کی صورت میں تمہارے ذہن میں کوئی پلان ہے؟''

''...... اور وہ اس سے بولے: درختوں پر واپس آ جاؤ، ورنہ درندے تمہیں آ لیں گے۔''

''اگر تمہیں، خدانخواستہ، واقعی برطرف کر دیا گیا تو کیا تمہارے پاس پنشن کے حصول کا حق ہے؟''

......لیکن اس نے اپنے ایک ہاتھ میں درخت کی شاخ لی اور دوسرے میں پتھر اور بڑے محتاط طریقے سے، ایک ایسی سڑک کو دیکھتا ہوا چل پڑا جس کا کوئی اختتام نہیں تھا......

نجیب محفوظ نے اپنے ناولوں اور افسانوں میں مصر کے معاشرے کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ وہ مصری معاشرے کا نباض ہے، اس کے کردار اس ذہنی پراگندگی، انتشار اور غیر یقینی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں جن سے مصری معاشرہ روزمرہ کی زندگی میں دوچار ہے۔

''کشتی گھر'' ان دانشوروں کی پناہ گاہ ہے جو معاشرے کی مروجہ روایات اور رجحانات سے راہِ فرار اختیار کئے ہوئے ہیں لیکن جلد ہی ان کی یہ چھوٹی سی دنیا گھٹن اور یکسانیت کا شکار ہو کر بکھر جاتی ہے۔ یہ ان معاشروں کا المیہ ہے جہاں آزادیٔ رائے وخیال پابندیوں کا شکار ہے۔ ان معاشروں کے دانشور تنہائی اور بیگانگی میں پناہ لے کر اندر سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دانشوروں اور سوچنے والوں کو معاشرے سے کٹ کر اپنی ہی گھٹن میں مر جانا چاہیے، یا معاشرے میں شامل ہو کر لوگوں کے ساتھ رہنا چاہیے؟ ترجمہ انتہائی سلیس اور شگفتہ زبان میں ہے اور اُردو میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی

"Nayyar Abbas Zaidi has done a good work by translating the Egyptian Novel "Adrift on the Nile" by Naguib Mahfouz from English to Urdu. It was indeed a pleasure to see that Naguib Mahfouz's work is being translated to other languages and people from different cultures and parts of the world are able to read his work"

Hussein Haridy,
Ambassador-Designate of Arab
Republic of Egypt, Islamabad.

نجیب محفوظ نے اپنے ناولوں اور افسانوں میں مصر کے معاشرے کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ وہ مصری معاشرے کا نباض ہے، اس کے کردار اس ذہنی پراگندگی، انتشار اور غیر یقینی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ جن سے مصری معاشرہ روزمرہ کی زندگی میں دوچار ہے۔

''کشتی گھر'' ان دانشورون کی پناہ گاہ ہے۔ جو معاشرے کی مروجہ روایات اور رجحانات سے راہِ فرار اختیار کئے ہوئے ہیں۔ لیکن جلد ہی ان کی یہ چھوٹی سی دنیا گھٹن اور یکسانیت کا شکار ہو کر بکھر جاتی ہے۔ یہ ان معاشروں کا المیہ ہے۔ جہاں آزادی رائے و خیال پابندیوں کا شکار ہے۔ ان معاشروں کے دانشور تنہائی اور بیگانگی میں پناہ لے کر اندر سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دانشوروں اور سوچنے والوں کو معاشرے سے کٹ کر اپنی ہی گھٹن میں مر جانا چاہیئے، یا معاشرے میں شامل ہو کر لوگوں کے ساتھ رہنا چاہیئے؟ ترجمہ انتہائی سلیس اور شگفتہ زبان میں ہے اور اُردو میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی

"Nayyar Abbas Zaidi has done a good work by translating the Egyptian novel 'Adrift on the Nile' by Naguib Mehfouz form English into Urdu. It was indeed a pleasure to see that Naguib Mehfouz's work is being translated to other language and people from different cultures and parts of the world are able to read his work."

Hussein Haridy,
Ambassador-Designate of Arab
Republic of Egypt, Islamabad.